گلشنِ راز

از

شیخ محمود شبستری

ترجمہ

شریف کنجاہی

گلشن راز

گلشنِ راز

از

شیخ محمود شبستری

ترجمہ

شریف کنجاہی

اقبال اکادمی پاکستان

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
ناظم
اقبال اکادمی پاکستان
چھٹی منزل' ایوان اقبال لاہور

طبع اول : ۱۹۹۶ء
تعداد : ۵۰۰
قیمت : ۱۰۰ روپے

مطبع : سعادت آرٹ پریس' لاہور

محل فروخت :۔ ۱۱۶ میکلوڈ روڈ' لاہور فون : ۷۳۵۷۲۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسی کا نام لے کر جس نے جاں کو سوچنا بخشا
منور کر دیا نور حقیقت سے دیا دل کا

اسی کے فضل سے دنیائیں دونو ہو گئیں روشن
کیا ہے خاک آدم کو اسی کے فیض نے گلشن

توانا وہ کہ پیدا کاف و نوں سے کر دیئے اس نے
جہاں دونو ہی جتنے میں کوئی اپنی پلک جھپکے

جب اس کے قاف[۱] قدرت نے قلم پر اپنا دم پھونکا
ہزاروں نقش تھے جن کو عدم کی لوح پر لکھا

ہوئے دونو جہاں پیدا اسی دم کی بدولت ہی
اسی دم سے ہویدا ہو گئی تھی جان آدم کی

تمیز و عقل آدم میں یہ آخر ہو گئی پیدا
پتہ اس کو لگا چلنے ہر اک شے کی حقیقت کا

جب اس نے اک معین شخص اپنے آپ کو پایا
میں خود کیا ہوں؟ تفکر اس کو اس رستے پہ لے آیا

سوئے کلی کیا جزوی سے یعنی اک سفر اس نے
ادھر سے پھر ادھر عالم پہ ڈالی اک نظر اس نے

یہ دنیا اعتباری[۲] چیز ہی اس کو دکھائی دی
کہ جیسے ایک کے ہندسے نے ہے سب میں جگہ پائی

جہاں ہے اک نفس سے ہی یہ امر و خلق کا پھوٹا
جو دم آیا تھا ہو کر خلق امرا" وہ ہی پلٹا تھا

بظاہر ہے یہ سب ورنہ نہ آنا ہے نہ جانا ہے
سمجھتا ہے جسے جانا حقیقت میں وہ آنا ہے

ہر اک شے یعنی اپنی اصل کی جانب پلٹتی ہے
سبھی کو ایک جانو وہ عیانی ہے، نہانی ہے

سزاوار قدم وہ ذات ہے جو ایک ہی دم سے
کرے آغاز بھی دونو جہاں کو ختم بھی کر دے

یہاں دنیائے خلق و امر کی اک ہی حقیقت ہے
کہ وحدت میں یہاں کثرت ہے اور کثرت میں وحدت ہے

یہ تیرا وہم ہے جس سے دوئی تجھ کو نظر آئے
کہ نقطہ دائرہ سا تیز رفتاری سے بن جائے

وگرنہ ایک ہی خط ہے کہ از اول باخر ہے
یہ خلقت جس قدر بھی ہے اسی خط پر مسافر ہے

اور اس رستے کے اوپر انبیا ہیں ساربان اس کے
بنے ہیں بدرقے اور رہنمائے کارواں اس کے

ہمارے سب کے سیدؐ ہو گئے سالار ان میں سے
وہی اس کام میں اول بھی آخر بھی وہی ٹھہرے

جمال اپنا احد نے میم میں احمدؐ کے دکھلایا
وہی اول ہوا، اس دور میں جو سب کے بعد آیا

احد، احمد میں یوں تو میم ہی کا فرق ہم پائیں
یہ میم ایسا ہے جس میں سارا عالم غرق ہم پائیں

اسی پر ختم ہوتا آن کر آخر یہ رستہ ہے
کہ یہ "ادعو الی اللّٰہ" اس پہ ہی منزل من اللہ ہے

جمع[۴] ہر اک جمع کی ہے مقام دلکشا اس کا
شمع ہر اک شمع کی ہے جمال جاں فزا اس کا

وہ آگے آگے، اور ہیں پیچھے پیچھے اس کے دل اپنے
کہ ہیں آویختہ جانیں ہماری اس کے دامن سے

اسی رستے پہ آگے بھی اسی رستے پہ پیچھے بھی
ولی خود ہی بتاتے ہیں کہ ہے منزل کہاں ان کی

حد ان کی ہے کہاں تک، ہو گئے آگاہ جب اس سے
تو پھر معروف اور عارف کی باتیں وہ لگے کرنے

ابھر کر بحرِ وحدت[5] سے انا الحق ایک کہہ اٹھا
کسی نے قرب[6] و بعد و سیرِ زورق کا کہا قصہ

مقدر ہو گیا تھا جس کسی کا علم ظاہر کا
تو اس نے خشکیِ[7] ساحل کے افسانے کو دہرایا

کیا تھا ترک اسے اک نے، صدف کو اور اپنایا
ہدف وہ بن گیا خود جس نے موتی کو اگل ڈالا

کسی نے جزو کے اور کل کے پردے میں کہا قصہ
یہاں باتیں قدم[8] کی اور تحدث کی کوئی لایا

کسی نے گفتگو کی خال و خط کی اور گیسو کی
کہانی شمع و شاہد اور مے کی ایک نے چھیڑی

کسی نے بات کی پندار[9] کی اور اپنی ہستی کی
کوئی ڈوبا بتوں میں اور ہوا آخر کو زناری

کسی ہر ایک نے اتنی خبر اس کو ہوئی جتنی
سمجھنے میں ہوئی مخلوق کو درپیش کوتاہی۔

نہیں آتا سمجھ میں جس کی آخر مدعا کیا ہے،
ضرورت اس کی بنتی ہے وہ جانے یہ بھلا کیا ہے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ قلم سے مراد عقل کل یا عقل اول لی جاتی ہے جسے ذات واحد کا پہلا مظہر گنا جاتا ہے۔

۲۔ یعنی وجود جہاں کو عقل معتبر بتاتی ہے ورنہ خارج میں اس کا وجود نہیں ہے۔
دیکھیے "مذہبی افکار" کی تعمیر نو" ص ۴۷، ص ۴۸۔ بلکہ سارا باب۔ جو اسی کی تفصیل و تعبیر ہے۔

۳۔ سورہ یوسف (۱۰۸)۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔

۴۔ جمع الجمع مقام حضرت محمدؐ کا ہے جو رب کو سب میں اور سب کو رب میں یکجا دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۵۔ بحر وحدت کی رعایت سے سیر زورق یعنی کشتی میں بیٹھ کر بحر وحدت کی سیر کی بات کی ہے۔ یہ لوگ اس سمندر سے گوہر حاصل نہیں کر سکتے۔

۶۔ قرب سے مراد قطرے کا دریا سے مل جانا ہے اور بعد، وصال سے محرومی۔ زورق سے مراد تعینات میں کھو جانا ہے۔

۷۔ علم ظاہر

۸۔ قدیم یعنی اللہ تعالیٰ جو خود موجود ہے' جب کہ محدث وہ ہے جو زمانی ہے اور اس طرح فانی۔

۹۔ یہ دونوں ہی سنگ راہ ہیں۔

۱۰۔ تکوین کی معنویت کا مسئلہ فکر انسانی کے قدیم مسائل میں سے ہے' بلکہ خود معنویت کی معنویت کا۔ ہند آریائی مفکرین سے لے کر یونانی اور سامی مفکروں نے عہد بعہد اس میں غوطہ زنی کی ہے اور کرتے جا رہے ہیں۔ سی کے اوگڈن اور آئی اے رچرڈ کی تو کتاب کا نام ہی The Meaning of Meaning ہے جو انھی ایام میں

سامنے آئی تھی جب گلشن راز جدید طباعت آشنا ہوئی تھی یعنی ۱۹۲۳ء میں اور اس کا ثبوت کہ مشرق و مغرب کا یہ مشترکہ مسئلہ ہے اور رہا ہے۔

✪ ✪ ✪

کتاب کی تالیف کا سبب

مہ شوال تھا وہ اور ہجرت کو بھی مکہ سے
ہوئی تھیں سات صدیاں' سترہ سال اس پہ گذرے تھے

بڑا ہی لطف اور احسان اس قاصد نے فرمایا
خراساں باسیوں کے پاس سے خط لے کے جو آیا

بزرگ شہر جو مشہور تھا سارے علاقے میں
ہنر کا چشمہ پرنور تھا سارے علاقے میں

بڑا تھا یا کوئی چھوٹا تھا اس ملک خراساں کا
اسی کو سب سے اچھا اس زمانے میں سمجھتا تھا

کئی باتیں کہ جن کا تھا تعلق معنویت سے
سمجھنے کے لئے ارباب معنی کو لکھیں اس نے

نوشتے میں تھیں باتیں چند کچھ اشکال ایسے تھے
تعلق جن کا سارا تھا فقط اہل اشارت سے

انھیں ترتیب دے کر ایک اک کا ذکر چھیڑا تھا
نہاں ان مختصر لفظوں میں اک معنی کا دریا تھا

سنایا آن کر قاصد نے جو مفہوم تھا اس کا
لبوں پر تھا ہر اک بندے کے جو سطروں میں پنہاں تھا

وہاں اس بزم میں بیٹھے ہوئے تھے لوگ جتنے بھی
اسی درویش کی جانب نگہ ہر ایک کی اٹھی

خصوصاً” ایک جس کا تھا تعلق ایسی باتوں سے
سنے تھے بارہا جس نے مسائل مجھ سے یہ پہلے

لگا کہنے مناسب ہے کہ دیں حضرت جواب ان کا
بہت ہی فائدہ ان سے جہاں والوں کو پہنچے گا

کہا اس سے نہیں حاجت کہ ایسے مسئلے میں نے
کتابوں میں لکھے ہیں بارہا جب آج سے پہلے

بجا اس نے کہا پر جب سوالی ہو گیا کوئی
انہیں منظوم کر دیں آپ خواہش ہے یہی سب کی

چنانچہ اس کے کہنے پر اٹھایا میں نے یہ بیڑا
بڑے ہی مختصر الفاظ میں لکھا جواب اس کا

اسی لمحے، انھی اصرار لوگوں ہی کی محفل میں
بتائیں جس طرح بھی ذہن میں آئیں مرے باتیں

توقع ہے مجھے بھی لطف سے احسان سے ان کے
مری کوتاہیوں کو درگذر یعنی وہ کر دیں گے

سبھی کو علم ہے اس کا کہ ساری عمر میں اپنی
کبھی بھی آج تک میں نے نہ ہرگز شعر گوئی کی

بجا ہے طبع موزوں کو مری قدرت بھی ہے اس کر
مگر بھولے سے کی میں نے کبھی کی بھی جو تک بندی

کتابیں نثر میں کتنی ہی لکھیں آج تک میں نے
نہیں تھا مثنوی گوئی کا مجھ کو تجربہ پہلے

عروض و قافیہ کو واسطہ کیا ہو گا معنی سے
کہ یہ موتی مقدر میں نہیں ہر ایک مالا کے

معانی پہ لباس حرف اکثر تنگ ہو جائے
سمندر تنگ برتن میں کبھی ممکن نہیں آئے

مقدر ہے ہمارے تنگنا حرفوں کی پہلے ہی
تو کیوں پیدا کریں کچھ بول کر ہم اور دشواری

نہیں ہے شعر وجہ فخر باب شکر ہے یہ تو
سمجھ لے زمرۂ ارباب دل تمہید عذر اس کو

مجھے ویسے ہی شعر و شاعری سے عار ہی آئے
کہ صدیوں بعد ہی عطار سا شاعر کوئی آئے

اور اس انداز کے اسرار میں جتنے بھی کہہ ڈالوں
نہ وہ عطار کی دکان کی چٹکی سے بڑھ کر ہوں

توارد ہو تو ہو لیکن نہ ہوگی وہ سخن دزدی
کہ اس کو میں سمجھتا ہوں سراسر فعل شیطانی

یہ قصہ مختصر لکھا جواب اس کا اسی دم ہی
اور اک اک کرکے، اس میں کچھ کمی میں نے نہ کی بیشی

بڑی عزت سمجھ کر اس کو، قاصد نے لیا نامہ
روانہ پھر ادھر کو ہو گیا آیا جدھر سے تھا

ازاں بعد اور اپنے اک عزیز کار فرما کا
اضافہ اور بھی کچھ اس پہ کرنے کا تقاضا تھا

کہ میں معنی کی گہرائی کو یوں ان سے بیاں کر دوں
بڑھا کر اس کو عین علم سے عین عیاں کر دوں

نہ دی حالات نے اتنی اجازت ان دنوں لیکن
کہ ہو پاتا بقدر ذوق مجھ سے کام یہ ممکن

نہیں آسان دام لب میں ان باتوں کا آ جانا
کہ صاحب حال پر ہی کھل سکے اس حال کا عقدہ

بتائیں جس نے باتیں دین کی قول اس کا یاد آیا
کوئی پوچھے اگر دیں کی تو نازیبا ہے ناں کرنا

اور اس مقصد کی خاطر تاکہ رازوں سے اٹھے پردہ
زباں میری ہوئی عقدہ کشائی کے لئے گویا

خدا کے فضل کرنے سے مجھے توفیق دینے سے
وہ سب باتیں بتا دیں چند لمحوں میں اسے میں نے

خدا سے جب ہوا طالب کہ رکھوں نام کیا اس کا
اشارہ مل گیا مجھ کو، اسے گلشن سمجھ اپنا

خدا نے نام اس نامہ کا جب فرما دیا گلشن
یقیں ہے اس سے ہوگی ہر کسی کی چشم جاں روشن

سوال

یہ (میری) سوچ کیا ہے؟ اس نے ڈالا ہے تحیر میں
وہ آخر چیز کیا ہے جس کو سارے سوچنا بولیں

پتہ[۳] آخر لگے گا سوچ کے آغاز کا کیسے
سرانجام اس کا کیا ہے یہ بھی تو پڑتا نہیں پلے

جواب

یہ مجھ سے پوچھتا ہے تو بتاؤں سوچنا کیا ہے
تعجب مجھ کو تو اس پوچھنے پر تیرے آیا ہے

تفکر نام ہے باطل سے حق کی سمت جانے کا
وہ جو ہے کل مطلق، اس کی جز میں دید پانے کا

وہ دانش مند اس بارے میں کچھ لکھا جنہوں نے ہے
ہمیں تحریر میں اپنی بتایا یہ انہوں نے ہے

بقول ان کے تصور دل میں جب بھی بیٹھ جاتا ہے
تو وہ پہلے پہل (سمجھو) تذکر نام پاتا ہے

پھر اس منزل سے آگے فکر کرکے جب گذرتے ہیں
تو عرف عام میں تعبیر ہم اس کو ہی کہتے ہیں

تصور وہ کہ ہوتا ہے تدبر مدعا جس کا
تفکر نام اسی کو اہل دانش نے یہاں بخشا

تصور جو کہ ہوں معلوم انہیں ترتیب دینے سے
سمجھ میں آنے لگتے ہیں سمجھ سے دور مفروضے

مقدم باپ ہے اور ماں سمجھ لو جو موخر ہو
اور ان دونوں سے جو حاصل ہو آل ان کی اسے جانو

مگر مذکور جو ترتیب بھی ہو گی تفکر کی
وہ منطق کے تقاضوں سے تو باہر جا نہیں سکتی

ولیکن ہو اگر محروم وہ تائید ایزد سے
تو اس کا نام ہم ہر حال میں تقلید رکھیں گے

رہ تقلید لمبی ہے نہ اس پر ہو قدم پکا
کبھی موسیٰ کی صورت چھوڑ ہاتھوں سے عصا اپنا

ذرا ایمن کی وادی میں بھی دیکھ آ کر کسی لمحے
تجھے "انی[5] انا اللّٰہ" اک شجر کہتا نظر آئے

وہ حق آگاہ، وحدت جس کو کثرت میں نظر آئی
نظر آیا اسے پہلے پہل نور وجودی ہی

وہ دل نور صفا جس کو میسر معرفت سے ہو
نظر ڈالے وہ جس شے پر دکھائی دے خدا اس کو

بجز تجرید[6] کے فکر نکو ہرگز نہ ہاتھ آئے
کہ اس کے بعد ہی برق ہدایت جلوہ فرمائے

ادھر جس کی نہ ایزد نے کوئی بھی رہنمائی کی
کب اس کے ناخن منطق نے کچھ عقدہ کشائی کی

حکیم فلسفی کے تو مقدر میں ہے حیرانی
نظر آئے بجز امکاں نہ اشیا میں اسے کچھ بھی

ہے اس کے پاس تو اثبات واجب کو یہی امکاں
طلب میں ذات واحد کی کرے امکاں اسے حیراں

کبھی وہ دائرے[7] میں الٹے پاؤں چلتا جاتا ہے
تسلسل میں کبھی جکڑا ہوا اپنے کو پاتا ہے

کہ ہستی کو سمجھنے کا کیا جب عقل نے حیلہ
تو اپنے آپ کو اس نے تسلسل میں بندھا پایا

یہاں ہر چیز[8] کا اظہار اس کی ضد سے ہوتا ہے
بجز اس ذات بے ہمتا کے جو ضد سے مبرا ہے

نہیں ہے ضد ذات حق، کوئی ہرگز نہیں اس سا
نہیں معلوم مجھ کو کس طرح تو اس کو سمجھے گا

نہیں واجب کا جب ممکن نمونہ کوئی ممکن میں
اسے پھر کس طرح جانیں اسے کس طرح پہچانیں

ہوا نادان ہو گا وہ کہ جو خورشید کے جلوے
بیاباں میں دیا ہاتھوں میں لے کر ڈھونڈھنے نکلے

تمثیل

سدا رہتا اگر اک حال ہی دنیا میں سورج کا
کرن کا بھی جہاں میں اس کی اک انداز ہی ہوتا

ہر اک پرتو ہے اس کا کیسے اس کو جانتا کوئی
نہ مغز اور پوست ہی کے فرق کو پہچانتا کوئی

فروغ نور حق ہے جان لے تو یہ جہاں سارا
یہ پیدائی ہے پنہاں جس میں حق کی ذات ہے ہر جا

ورا جب عقل سے تحویل سے نور خدا ٹھہرے
تو پھر اس میں تغیر اور تبدل کس طرح آئے

سمجھتا ہے کہ اپنے آپ میں قائم جہاں یہ ہے
خود اپنی ذات سے پیوستہ و دائم جہاں یہ ہے

جسے حاصل ہوئی ہے عقل دور اندیش دنیا میں
بہت حیرانیاں ہیں اس کو ہی درپیش دنیا میں

یہ دور اندیشیاں ہیں سب کی سب عقل فضولی کی
کہ جس سے فلسفی کوئی، حلولی[9] ہو گیا کوئی

خرد کیا تاب لائے گی رخ پرنور کی اس کے
کوئی اور آنکھ لے کر آ اسے گر دیکھنا چاہے

سمجھ لے فلسفی کی آنکھ تو بھینگا کے تکتی ہے
تو حق کو ایک وحدت وہ بھلا کب دیکھ سکتی ہے

جنھوں نے راہ لی تشبیہ[10] کی اندھے ہی تھے سارے
چلے تنزیہہ کی جانب ادھر یک چشم بیچارے

تناسخ[11] اس لئے کفر اور باطل ہم نے ٹھہرایا
کہ یہ ہے تنگ چشمی سے ہمارے ذہن میں آیا

ہے مادر زاد اندھے کی طرح محروم نعمت سے
یہاں پر اعتزالی[12] راستہ اپنا لیا جس نے

ادھر آشوب ہر دو چشم ہے اسباب ظاہر کو
نگاہ ظاہری سے دیکھتے ہیں جو مظاہر کو

کلامی[13] جس کے بختوں میں نہیں توحید کا چسکا
اسے تقلید کے بادل نے تاریکی میں ہے دھکا

انھوں نے اس کے بارے میں کہا تھوڑا بہت جو بھی
حقیقت میں تو اپنی کم نگاہی کی گواہی دی

منزہ کس قدر ہے، کیا ہے اور کیسے ہے ذات اس کی
وہاں تک جا سکیں ممکن نہیں گویائیاں اپنی

سوال (۲)

وہ کیسی فکر ہو گی جو کہ شرط رہروی ٹھہرے
اطاعت کیوں کبھی ٹھہرے، گنہ گاری کبھی ٹھہرے؟

جواب

اگر رحمت کو سوچیں اس کی ہم تو شرط رہ ٹھہرے
اگر سوچیں کہ کیا ہے ذات حق کی، یہ گنہ ٹھہرے

کہ ہے باطل سراسر فکر ذات حق کے بارے میں
جو حاصل ہے اسے ہم اور آخر کس طرح پائیں

جب اس کی ذات سے روشن ہوئیں آیات سب اس کی
تو ان آیات سے روشن بھلا خود ذات کیا ہو گی

اسی کے نور سے ہم دیکھتے ہیں سارے عالم کو
نہیں ممکن کہ عالم سے نظر آ جائے وہ ہم کو

ہے ناممکن کہ نور اس کا مظاہر[14] میں سما جائے
کہ ہر اک چیز پر غالب ہیں سبحات جلال اس کے

لگا لو تو خدا سے اور جھٹک دے عقل کا دامن
کہ نور مہر کو تکنا نہ چمگادڑ سے ہے ممکن

جہاں خود نور حق ہی رہنمائی آپ کرتا ہو
وہاں جبریل کو کب گفتگو کرنے کا یارا ہو

فرشتے کو اگرچہ قرب درگاہی میسر ہے
مقام "لی مع اللہ"[15] تک وہ بیچارہ کہاں پہنچے

ملک کو نور حق کا جب جلا کر راکھ کر ڈالے
خرد کی کیا حقیقت اس کو تو بالکل بھسم کر دے

خرد کی روشنی سے ذات انور کس طرح دیکھیں
ٹھہر سکتی ہیں سورج پر کہاں انسان کی آنکھیں

بصر جتنی کسی مبصر[16] کے نزدیک آتی جائے گی
اسی نسبت سے اس کے نور سے چندھیاتی جائے گی

دلیل نور ہے جو ذات کی ہم خیرگی جانیں
سمجھ لے چشمہ حیواں ہوا کرتا ہے ظلمت میں

یہ تاریکی ہے کیا؟ نور بصر کا ہے اثر ہونا
یہاں بہتر نہیں (اے دوست) پابند نظر ہونا

کہاں وہ عالم پاک اور کہاں تو خاک کا پتلا
ترا ادراک عجز درک ہی ادراک کا ہو گا

دو عالم میں ہے ممکن کے مقدر میں سیہ روئی[17]
(خدا کو علم بہتر ہے) یہ دور اس سے نہیں ہو گی

سواد اعظم اے مرد خدا دونوں جہانوں میں
سیہ روئی ہے اس کو بیش سمجھیں ہم نہ کم سمجھیں

بتاؤں کس طرح تجھ کو میں اس نکتہ کی باریکی
کہ[18] یہ تاریک دن میں ہے شب روشن ابو العجبی

ہے پر انوار یہ مشہد بھلا میں لب ہلاؤں کیا
بہت باتیں ہیں کہنے کی مگر میں کہہ نہیں سکتا

تمثیل

اگر خواہش تری ہو چشمہ خورشید کو دیکھے
تو ممکن ہو گا یہ تو اور ہی ڈھب کی نگاہوں سے

نہیں یہ آنکھ اس قابل اسے بے واسطہ دیکھے
مگر ممکن ہے پانی میں سے وہ سورج کو تک پائے

جب اس کے نور کی شدت میں ہوتی ہے کمی پیدا
زیادہ ہونے لگتا ہے پھر ادراک ضیا تیرا

عدم کو جان لے ہے سر بسر ہستی کا آئینہ
جھلکتا عکس ہے اس میں ہی یعنی تابش حق کا

عدم کا آئنہ ہستی کے جس دم روبرو آیا
اسی ساعت اسی کا عکس اس میں منعکس پایا

پہ ان عکسوں کی کثرت میں نمایاں ہے وہی وحدت
کہ جیسے اک عدد گنتے چلے جانے سے ہو کثرت

عدد آغاز میں ہوتا ہے یوں تو ایک ہی لیکن
نہایت ہے کہاں اس کی یہ اندازہ نہیں ممکن

عدم بے نقش اپنی ذات میں تھا اس سبب سے ہی
ہوا ظاہر اسی کے ساتھ ہی جو گنج تھا مخفی

حدیث "کنت کنزاً"[۲۰] پہ اگر تو غور فرمائے
جو ہے سر نہانی آشکارا تجھ پہ ہو جائے

عدم آئینہ، عالم عکس، اور انسان ہے اس میں
کہ جیسے مردمک کو عکس کی ہم آنکھ میں دیکھیں

تو چشم عکس ہے محض اور وہ تو نور دیدہ ہے
کہ عکس دیدہ میں اپنا ہی دیدہ اس نے دیکھا ہے

جہاں انساں ہوا اور ہو گیا انساں جہاں سمجھو
ملے گا اس سے پاکیزہ کہاں کوئی بیاں تجھ کو

تمثیل

جہاں کے کارخانے کو اگر تو غور سے دیکھے
وہی دیدہ، وہی دیدار و دیداری ہی ٹھہرے

حدیث پاک نے مفہوم واضح کر دیا اس کا
کہ "بی یسمع" کا "بی یبصر" کا مصداق اس کو ٹھہرایا

جہاں کو تو سمجھ لے سر بسر ہے یہ تو آئینہ
لئے دامن میں ہے سو سورجوں کو اس کا ہر ذرہ

نظر آئیں تجھے گر ایک ہی قطرے کا دل چیرے
سمندر پھوٹتے کتنے ہی اس سے صاف پانی کے

کسی مٹی کے ٹکڑے کو اگر تو ڈھب سے دیکھے گا
ہزاروں آدموں کو تو ہویدا اس میں پائے گا

اگر اعضا پہ ہم جائیں تو پشہ پیل یکساں ہیں
اگر ناموں پہ ہم جائیں تو قطرہ نیل یکساں ہیں

لئے دل میں ہے خرمن' جو بظاہر ایک دانہ ہے
ہے اک چینا مگر دل میں سمیٹے ایک دنیا ہے

کبھی پشّے کے پر کا مول تو دنیا کو پائے گا
کبھی تو آسماں کو آنکھ کی پتلی میں لائے گا

بظاہر کس قدر چھوٹا سا ہوتا دل کا دانہ[۲۲] ہے
خداوند دو عالم کا مگر یہ ہی ٹھکانہ ہے

جمع اس میں سمجھ دونوں ہی دنیاؤں کو پائے گا
کبھی آدم کا دور ہو گا کبھی ابلیس آئے گا

ذرا یہ دیکھ دنیا کس طرح باہم گتھی سی ہے
ملک کی دیو سے' شیطاں کی افرشتے سے یاری ہے

سبھی ایسے ہیں یک جا ہوں بردانہ[۲۳] ہم جیسے
مجھے مومن سے کافر اور مومن یعنی کافر سے

اکٹھے حال کے نقطے کے اندر ایک ہیں سارے
یہ دن یہ سال و ماہ اور یہ سبھی چکر زمانے کے

ابد کے ساتھ دامان ازل کو باندھ رکھا ہے
نزول عیسیٰ[۲۴] و ایجاد آدم ہم زمانہ ہے

ہر اک نقطے سے اور اک دائرہ سا بنتا جاتا ہے
وہ خود مرکز بھی ہوتا ہے وہ چکر بھی لگاتا ہے

اسی دور مسلسل میں سے ایک ایک اس کے نقطے سے
ہزاروں صورتیں صورت پذیر ہوتے ہوئے دیکھے

مگر اپنی جگہ سے ایک ذرہ بھی جو ٹل جائے
نظام کائناتی میں اسی لمحے خلل آئے

سبھی حرکت میں ہیں اور ایک بھی ذرہ نہیں ایسا
حد امکان سے باہر قدم جو رکھ سکے اپنا

تعین نے کیا ہے اس جگہ محبوس ہر اک کو
برنگ جزویت کل سے کیا مایوس ہر اک کو

ترا کہنا ہے دائم سیر میں بھی جس میں بھی ہیں
ہمیشہ ہیں خلع[۲۵] میں بھی وہ لیکن لبس[۲۶] میں بھی ہیں

سبھی حرکت میں ہیں باایں ہمہ ساکن بھی ہیں سارے
نہ کوئی ابتدا جانے نہ کوئی انتہا جانے

مگر ہر ایک کو احساس سا ہے اپنے ہونے کا
سوئے درگہ اسی نقطے سے ہر اک ہے سفر پیما

ہر اک ذرے کے پردے میں یہاں پوشیدہ پائے گا
جو محبوب حقیقی ہے جمال جاں فزا اس کا

قاعدہ

(بظاہر تو) جہاں اک لفظ ہے جس کو سنا تو نے
ذرا اتنا تو بتلا دے یہاں دیکھا ہے کیا تو نے

بتا صورت کو کیا سمجھا ہے تو معنی کو کیا سمجھا
بتا کیسی ہے یہ دنیا، بتا کیا چیز ہے عقبیٰ

بتا کیا کوہ قاف ہے اور کسے سیمرغ کہتے ہیں
بہشت و دوزخ و اعراف کیا ہیں اور کیسے ہیں

جہاں وہ کون سا ہے جو کہ ظاہر میں نہیں پیدا
وہ جس کا ایک دن بھی اس جگہ ہے اک برس جتنا

نہیں تنہا جہاں وہ ہی کہ جس کو تو نے دیکھا ہے
کہ "ما لا تبصرون"[۲۸] ہی ترے کانوں تک آیا ہے

ذرا مجھ کو بھی دکھلا دے کہ جابلقا[۲۹] کہاں پر ہے
جہاں وہ کون سا ہے شہر جابلسا جہاں پر ہے

کبھی سوچا مشارق اور مغارب کس لئے آیا
کہ ہم نے ایک مشرق ایک ہی مغرب یہاں پایا

ہیں راوی ابن عباس اک جہان مثلھن[۳۰] کے
تو ان کی بات کو پائے تو اپنے آپ کو پائے

تو ہے سویا ہوا اور دیکھنا سپنا فقط تیرا
ہے تو نے التباس اپنے کو غافل دیکھنا سمجھا

اٹھے گا ہو کے جب بیدار تو صبح قیامت کو
خیال و وہم تھا سارا سمجھ جائے گا اس دن تو

نہ تیری آنکھ میں جس وقت بھینگا پن رہا باقی
زمین و آسماں بدلے ہوئے پائے گا دونوں ہی

دکھائے گا تجھے جب اپنا خورشید عیاں چہرہ
نہ زہرہ کی چمک ہو گی نہ نور مہر و مہ ہو گا

کرن اک بھی اگر پتھر کے اوپر اس کی پڑ جائے
اسے صد پارہ رنگیں پشم کی مانند تو پائے

سمجھ جا اب کہ تجھ میں ہے سکت اس وقت کرنے کی
کہ جب تو کر نہ پائے گا سمجھ کس کام آئے گی

کہوں تو دل کے عالم کی کہوں میں تجھ سے کیا باتیں
کہ دلدل میں ترے پاؤں ہیں، سر تیرا گریباں میں

جہاں ہے مال تیرا اور یہ بے چارگی تیری
بتا محروم تجھ سے بھی زیادہ ہے یہاں کوئی

گرفتاروں کی صورت اک جگہ بیٹھا ہوا ہے تو
ترے اس عجز ہی نے باندھ رکھا ہے یہاں تجھ کو

پڑا ہے عورتوں کی مثل در پر بے وقاری کے
(عجب یہ ہے) تجھے اپنی جہالت سے نہ عار آئے

زمانے میں دلیروں کو بخوں آغشتہ پایا ہے
چھپائے سر کو تو اپنے ادھر اندر ہی بیٹھا ہے

تجھے یوں عورتوں کی راہ پر چل کر ملے گا کیا
جہالت میں بسر کرنے سے حاصل تجھ کو کیا ہو گا

کہ ناقص عقل و دیں میں عورتوں کو سب سمجھتے ہیں
میں ان مردوں پہ حیراں ہوں جو ان کی راہ چلتے ہیں

اگر تو مرد ہے باہر نکل آ اور اٹھا نظریں
جو پیش آئے رکاوٹ اس کو رہنے دے نہ رستے میں

رہے گا تاکجے تو منزلوں میں اس طرح بیٹھا
نہ ہو محتاج یوں ہمراہیوں کا اور اونٹوں کا

تلاش حق میں بہتر ہے براہیمی روش رکھے
بنا دے رات کو دن اور دن کو رات کر ڈالے

ستارہ چاند اور سورج کہ جو بڑھ کر ہے دونو سے
سمجھتے ہیں خیال و عقل و حس کو ہم انھی جیسے[31]

مسافر پھیر لے تو اپنے رخ کو ان کی جانب سے
ہمیشہ لا احب الآفلیں[32] نکلے ترے لب سے

نہیں تو حضرت موسیٰ کی صورت تو بھی اس رہ پر
چلے جا تاکہ خود انی انا اللہ[33] سن سکے آخر

بساں کہ ترے رستے میں حائل ہے تری ہستی
اگر ارنی کہے گا تو سنے گا لن ترانی ہی[34]

حقیقت کہربا[۳۴] ہے کاہ یعنی ذات ہے تیری
نہیں ہے بعد ممکن، ہو نہ گر کوہ خودی باقی

تجلی کوہ ہستی پر ترے جس وقت اترے گی
تو ہو گی خاک رہ ہستی[۳۵] کہ اس کی اصل ہے پستی

شہنشاہ[۳۶] ایک جذبہ ہی گداؤں کو بنا جائے
پہاڑ اک آن میں تنکے کی قیمت اس جگہ پائے

طرف اسریٰ کے جا تو پیچھے پیچھے اپنے خواجہ کے
اور ان آیات کبریٰ پر نظر دوڑا تعجب سے

سرائے ام ہانی سے قدم باہر نکال اپنا
سنا دے من رآنی[۳۹] میں ہے جو مستور وہ نکتہ

کنارہ کاف ہے تو کنج کونینی میں کر جائے
جگہ پھر قاف[۴۰] قرب قاب قوسینی میں تو پائے

خدا دے گا تجھے جو کچھ بھی تو پھر اس سے مانگے گا
کما ھی[۴۱] تجھے اشیا کو وہ یعنی دکھا دے گا

قاعدہ (۲)

ہو جس کی جاں تجلی گہ وہی اس کو سمجھتا ہے
کہ یہ سنسار سارا ہی کتاب حق تعالیٰ ہے

عرض اعراب ہیں، جوہر یہاں حرفوں کو کہتے ہیں
مراتب ان کے اندر آیتیں ہیں اور وقفے ہیں

اور اس سے ہی ہر اک عالم یہاں مخصوص صورت ہے
کوئی اخلاص ہے تو فاتحہ کی ایک سورت ہے

جسے کہتے ہیں عقل کل وہ آیت اس کی ہے پہلی
تو اس میں بائے بسم اللہ کی حیثیت سمجھ اس کی

سمجھ لے بعد اس کے نفس کل کو نور کی آیت[۴۲]
کہ ہے جو نور کی غایت میں اک مصباح کی صورت

اور اس میں تیسری آیت اگر ہے عرش رحمانی
چہارم جان لے تو ہے مقام آیت الکرسی

پھر اس کے بعد اجرام سماوی[۴۳] سات ادھر آئیں
مقابل سورۂ سبع المثانی[۴۴] کو بھی ہم پائیں

اگر جرم عناصر پر نظر اپنی تو دوڑائے
یہاں آیات کی صورت عیاں ہر ایک کو پائے

پس از عنصر مقام آئے موالید ثلاثہ[۴۵] کا
نہیں ممکن یہاں آیات کو معدود کر لینا

ہوا مخلوق آخر میں سبھوں کے نفس انساں کا
ہوا ہے ناس ہی پر آن کر تمت بھی قرآں کا

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ حروف و الفاظ کو شبستری ناقص ذریعہ اظہار خیال کرتا ہے جن سے معنوی نکات واضح نہیں ہو سکتے۔ اقبال نے بھی اعتراف کیا ہے کہ حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ

۲۔ سورہ حجر (۱۸) میں شیطان کے چوری چھپے بات سن کر بھاگنے کا ذکر ہے۔

۳۔ یہ شعر صابر کرمانی والے نسخے میں ہے جسے کتاب خانہ ظہوری (تہران) نے شائع کیا تھا۔

۴۔ حضرت موسیٰ جب وادی ایمن میں پہنچے تو (بحوالہ ۲۰/۱۹) آواز آئی کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے کہا عصا ہے۔ فرمایا کہ اے موسیٰ اسے زمین پر رکھ دے۔

۵۔ درخت میں سے (بحوالہ ۲۸/۳۱) آواز آئی کہ اے موسیٰ بلاشبہ میں ہی اللہ ہوں۔

۶۔ ماسوا سے علیحدگی۔

۷۔ دلائل منطق کے چکر میں ایک بات سے دوسری بات ثابت کرنے میں لگا رہتا ہے اور یہ سلسلہ قدیم اور حادث یا خالق اور مخلوق کے بارے میں کہیں جا کر خود اسے ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔

۸۔ سازد از خود پیکر اغیار را تا فزاید لذت پیکار را۔ اقبال

۹۔ حلول کے معنی اترنا ہے یعنی کسی اور میں رچ جانا یعنی خدا کے بعض بندوں میں اتر آنے کا عقیدہ۔ ہندی لفظ او تار میں یہی مفہوم پنہاں ہے۔

۱۰۔ خالق میں مخلوق کی صفات کے موجود ہونے کا اثبات۔
خالق میں بشری صفات کے موجود ہونے کی نفی۔

۱۱۔ روح کے بدلی ہوئے بدلتے جانے کا عقیدہ۔

۱۲۔ سواد اعظم سے کٹ جانے والا وہ فکری گروہ جو خدا کی رویت کا قائل نہیں تھا۔ اور جبر کی جگہ قدر کا قائل تھا۔

۱۳۔ منطق کے ذریعے دقائق قرآنی کو سمجھنے سمجھانے والا فکری گروہ۔

۱۴۔ انوار عظمت حق

۱۵۔ (ایک حدیث کے مطابق) ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جب اللہ کے پاس میرے سوا کوئی نہیں ہوتا۔

۱۶۔ دیکھا جانے والا۔

۱۷۔ اصل عربی ترکیب "سواد الوجہ" ہے اور اس سے مراد فنا کلی ہے جسے فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

۱۸۔ لفظی معنی بڑی جگہ اور اکثریت۔ یہاں وہ مقام بزرگ مراد ہے جہاں پہنچ کر جو چاہیں حاصل ہو جائے۔

۱۹۔ رات اس لئے روشن ہے کہ اس میں جمال الہی کے سوا ہر چیز تاریکی کا لقمہ ہوتی ہے اور دن اس لئے تاریک کہ اس میں اشیاء جمال الہی سے توجہ ہٹانے کا سبب بنتی ہیں۔

۲۰۔ ایک حدیث کے مطابق ارشاد الہی ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا پھر مجھے خواہش ہوئی کہ اپنے کو دیکھا جائے چنانچہ خلق کو پیدا کیا (جس میں ذات خدا آشکارا ہے۔ یعنی صفات ذات کا آئینہ ہیں۔)

۲۱۔ جب کوئی بندہ نیک اعمال کے ذریعے میرے قریب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ تو میں ہی اس کی آنکھ اور میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ میرے ذریعے ہی دیکھتا اور سنتا ہے۔

۲۲۔ خون سیاہ کا وہ نقطہ جو دل میں قدیم اعتقاد کے مطابق اصل حیات گنا جاتا تھا۔

۲۳۔ جس طرح دانے سے پھل اور پھل سے دانہ۔

۲۴۔ خطبات اقبال میں دیکھئے بحث زمان و مکاں

یہ شعر ون فیلڈ والے نسخے میں نہیں ہے۔ نسائم گلشن میں ہے۔

۲۵۔ اٹک اترنا۔ اتارنا۔ یہاں اشارہ ہے موسیٰ علیہ السلام کو وادی میں جوتیاں اتارنے کے حکم کی طرف۔

۲۶۔ شک شبہ۔ اشارہ ہے ۵۰/۱۴ کے مضمون کی بات کہ خلق جدید کے بارے میں وہ گرفتار شک ہیں۔

۲۷۔ وہ پہاڑ جہاں سیمرغ کا ڈیرا ہے صوفیا کے نزدیک سیمرغ وہ وحدت ہے جس میں ساری کثرت موجود ہے۔

۲۸۔ ۶۹/۳۹ میں ہے کہ کتنی چیزیں تم سے پوشیدہ ہیں۔ (سورہ الحاقہ آیت ۳۹)

۲۹۔ جابلقا اور جابسا دو شہروں کے نام ہیں ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں ہے۔ جابلقا سے صوفیا کے نزدیک کمالات نفسانی اور صور خیالی مراد ہیں۔ جبکہ جابسا سے کمالات بدنی اور صور وہمیہ۔ دیگر تعبیرات کے لئے دیکھئے نسائم گلشن ص۵۶۔ بعض کے نزدیک ایک آسمانی یروشلم ہے اور ایک زمینی۔

۳۰۔ سورہ الطلاق کی آخری آیت میں یہ لفظ آیا ہے اور (بحوالہ تفسیر مواہب الرحمن) روایت ہے کہ ابن عباس نے استفسار پر کہا تھا کہ اگر میں اس کی تفسیر بیان کر دوں تو تم اس سے انکار کرو گے۔ کیوں ہر زمین میں آدم کا مثل ہے۔

۳۱۔ یعنی جس طرح حضرت ابراہیم ان تینوں کو خدا نہیں مانتے تھے اسی طرح حس' خیال اور عقل کو بھی "خدا" نہیں ماننا چاہئے۔

۳۲۔ دیکھئے ۷۷/۶ آیت

۳۳۔ دیکھئے ۳۱/۲۸

۳۴۔ یہاں کاہ کے حوالے سے کوہ کہا ہے۔ کاہ یعنی جس میں کاہ ربا کی کشش قبول کر لینے کی صلاحیت ہے اور کوہ جو اس صلاحیت سے خالی ہے۔

۳۵۔ یعنی کشش ناقبول حالت جاتی رہے گی کیونکہ وہ فطرت میں نہیں ہے۔

۳۶۔ غیرت ہے بڑی چیز جہان تگ و دو میں۔ (اقبال)

۳۷۔ دیکھئے آیت ۱/۱۷

۳۸۔ جناب ابو طالب کی بیٹی جس کے گھر سے آپ معراج کو گئے۔

۳۹۔ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کا مفہوم ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھا۔

۴۰۔ واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔

۴۱۔ ایک حدیث کے مطابق وحی اور الہام ایک ایسی روشنی ہے جس کے ذریعے حقیقت اشیا کا صحیح پتہ لگتا ہے۔ (جیسے وہ ہوتی ہیں)

۴۲۔ دیکھئے خطبات اقبال اور سورت النور۔

۴۳۔ دیکھو سورت البقرہ آیت ۲۷

۴۴۔ سورت فاتحہ جس کی سات آیتیں ہیں۔

۴۵۔ جمادات' نباتات اور حیوانات

۴۶۔ یعنی جس طرح الناس پر قرآن ختم ہوتا ہے اس طرح ناس یعنی انسان پر ہی سلسلہ مخلوقات ختم ہوا ہے۔ اور جو کوئی آیات کتاب عالم بارے میں تفکر کرے گا وہ اولی الالباب میں سے ہو گا۔ (دیکھو اس قاعدے کا پہلا شعر) اس قسم کی توجیہ اور مماثلت کو آج کا ذہن شاید قبول نہ کرے لیکن قدما کا یہ فکری رویہ تھا۔ اور اس میں اہم بات یہی ہے کہ ساری کائنات کو آیات کہا گیا ہے۔ یہی بات اقبال نے اپنے خطبات میں اور بعض اشعار میں کہی ہے۔

✪ ✪ ✪

اصول فکر آفاقی

تو اپنے آپ کو کر قید زندان طبائع کا
نکل (اس حال سے تو) اور صنائع پر نظر دوڑا

اگر تخلیق پر تو آسمانوں کی نظر ڈالے
بنے ممدوح حق خود ہی تو ان آیات کی رو سے

کبھی دیکھا ہے اس پہلو سے تو نے عرش اعظم کو
احاطہ کس طرح اس نے کیا ہے دونوں عالم کو

کیا ہے کس لئے موسوم اس کو عرش رحماں سے
ہے کس صورت کی آخر اس کو نسبت قلب انساں سے

کہ دونوں ہی یہاں کس واسطے رہتے ہیں حرکت میں
کہ اک لمحہ بھی ستاتا نہیں ہے ان کی قسمت میں

خصوصیت ہے یہ دل کی کہ مرکز آسماں کا ہے
یہ وہ نقطہ ہے جس کے گرد وہ چکر لگاتا ہے

کم و بیش آٹھ پہروں میں گذر جاتا ترے سر سے
خدا کے نیک بندے آسماں ہم کو نظر آئے

یہ چکر کاٹتے اجسام ہیں حرکت میں اس سے ہی
مگر کیوں اس طرح ہیں، تو کبھی کر غور اس پر بھی

سدا چلتے ہی رہتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کھاتے ہیں
سوئے مغرب رہٹ کی طرح یہ مشرق سے جاتے ہیں

دن آئے رات آئے چرخ اعظم کا وتیرہ ہے
کہ دنیا بھر کے گردا گرد وہ چکر لگاتا ہے

اسی صورت فلک جو دوسرے ہیں سب کے سب وہ بھی
دکھائی دیں گے تجھ کو گردش دائم کے اندر ہی

مگر ایسے نہیں جیسے کہ چرخ اعلیٰ گھومے
کہ یہ آٹھوں کے آٹھوں قوس کی مانند ہیں چلتے

معدل تو یہاں کرسی فقط ذات البروجی[1] ہے
نہ اس میں ہے بغاوت اور نہ وہ ہرگز خروجی[2] ہے

حمل[3] کے ساتھ جوزا اور خرچنگ اور ثور آئے
اسد اور سنبلہ ہیں ساتھ رسی کے بندھے جیسے

پھر اس کے بعد میزان اور عقرب اور قوس آئیں
جدی کا حوت کا بھی دلو کا بھی ہم نشاں، بائیں

ثوابت ہیں ہزار اوپر یہاں چوبیس گنتی میں
کہ ہیں تشریف فرما وہ مقام اپنے پہ کرسی میں

فلک[۴] ہے ساتواں کیواں ہے جس پہ دے رہا پہرا
چھٹا جو آسماں ہے اس پہ ہے برجیس کا ڈیرا

فلک پنجم ہے جس پر ہے جگہ مریخ نے پائی
سر چرخ چہارم مہر کی ہے عالم آرائی

ہے زہرہ تیسرے کا گھر عطارد دوسرے کا ہے
قمر ہے اس فلک کا جس کا اپنے جگ سے رشتہ ہے

زحل سے ہے تعلق دلو کا بھی اور جدی کا بھی
یہ قوس و حوت میں ہے مشتری کا چڑھنا ڈھلنا بھی

حمل کا ساتھ بھی مریخ سے، عقرب کا بھی اس سے
مگر تنہا اسد ہی آ گیا خورشید کے حصے

ٹھکانہ جس طرح میزان[۵] ہے اور ثور زہرہ کا
عطارد نے بھی خوشہ اور جوزا کو ہے اپنایا

قمر نے گھر کیا سرطان میں ہم جنس[۶] اسے پایا
ذنب نے راس کی مانند ہے عقدے کو اپنایا

منازل آٹھ اوپر بیس جب طے چاند کر پائے
تو اس کے بعد سورج کے مقابل میں وہ آ جائے

کھجوری خشک ٹہنی کی طرح ہو جائے وہ آخر
جسے جس طرح بھی چاہے کرے ہے خالق قادر

تفکر کرتے کرتے مرد کامل جب بھی ہو جائے
خداوندا نہیں باطل یہاں کچھ بھی پکار اٹھے

کلام حق اسی کی دے رہا ہے خود گواہی بھی
اسے باطل کہے جو ہے یقیں میں اس کے کمزوری

ہے اک مچھر کے اندر بھی ہزاروں حکمتیں پنہاں
تو پھر بہرام میں اور تیر میں کیونکر نہیں عریاں

حقیقت ہے یہی اس کارخانے پر نظر ڈالیں
فلک کو حکم سے جبار کے گردش میں ہم دیکھیں

نجومی چونکہ خود ایمان کی دولت سے ہے خالی
سمجھتا ہے ستاروں کے اثر سے ہے سبھی کچھ ہی

نہیں تکتا کہ خود افلاک بھی ہیں اس کی طاعت میں
خدا کے امر سے اور حکم سے رہتے ہیں حرکت میں

تمثیل

لگے ہے یوں کہ یہ جو آسماں گردش میں ہیں دائم
کسی گل کار کے ہیں چاک کی صورت رواں ہر دم

اور اس سے ہر گھڑی اس طور ہی دانائے داور بھی
بنائے جا رہا ہے ظرف لے کر خاک اور پانی

زمانی اور مکانی چیز جو بھی ہے جہاں بھی ہے
وہ اک ہی کارخانے کی ہے کاریگر بھی اک ہی ہے

کواکب جن کو ہم گردانتے ہیں وہ کمالی ہیں
اگر ایسے ہیں کیوں پھر ہر گھڑی ہر دم زوالی ہیں

جگہ میں، سیر میں، صورت میں بلکہ رنگ میں سارے
نہیں رہتے ہیں کیوں اک حال میں دائم یہ بیچارے

کبھی نیچے فلک میں اور کبھی یہ اوج پر کیوں ہیں
کبھی تنہا، کبھی سنگت میں آتے یہ نظر کیوں ہیں

دل چرخ اس طرح رہتا ہے کیوں ہر حال آتش میں
یہ کس کا شوق ہے رکھتا ہے جو اس کو کشاکش میں

ستارے جس قدر بھی ہیں چلے جاتے ہیں راہوں پر
کبھی اونچائی کو جا کر کبھی نیچے کو وہ جا کر

عناصر آگ پانی کے، ہوا کے اور مٹی کے
جگہ زیر فلک اپنی بنائی ہے یہاں سب نے

جسے جو بھی ملی منزل اسی کو اس نے اپنایا
نہ ہرگز اپنی حد سے وہ تجاوز کی طرف آیا

کسی نے اس طرح کا معجزہ دیکھا کہاں ہو گا
کہ چار اضداد ہوں طبع و مراکز میں مگر یک جا

الگ صورت ہر اک کی ہے الگ ہی ذات سب کی ہے
ضرورت نے مگر ہر اک میں یکجائی سی بھر دی ہے

انہیں سے پھر موالید ثلاثہ ہو گئے پیدا
جمادی اک نباتی اور حیوانی کوئی ٹھہرا

ہیولے[8] کو رکھا ہے درمیاں میں اس سلیقے سے
فراغت جس طرح صوفی کوئی صورت سے پا جائے

یہاں جتنے بھی ہیں لیکن نہ فرمان داور ہیں
جگہ پر اپنی استادہ ہیں، مسخر ہیں

جمادی قہر سے اس کی سر راہ اوفتادہ ہیں
نباتی بھی تو رحمت سے اسی کی ایستادہ ہیں

خلوص و صدق حیواں کو دیا جنسی تقاضا بھی
کہ شخصاً" بھی رہیں جنساً" بھی اور نوعاً" بھی وہ باقی

سبھی تسلیم کرکے حکم جو داور نے فرمایا
اسی کے ہی یہاں تجھ کو ملیں آٹھوں پہر جویا

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ آٹھواں آسمان جسے کرسی بھی کہتے ہیں۔
۲۔ باغی۔ خارج ہونے والا۔
۳۔ آسمان کو بارہ برجوں میں تقسیم کرنے والوں نے ہر برج کا الگ نام رکھا ہے جو آگے مذکور ہیں۔
۴۔ اب ان ستاروں کے نام مذکور ہیں جن کا ان برجوں سے زیادہ تعلق ہے۔
۵۔ برج سنبلہ۔
۶۔ سورج اپنے مدار پر گردش کرتا ہے۔ چاند جب اس کے مدار کو گذرتے ہوئے کاٹتا ہے تو اسے عقدہ کہتے ہیں۔ اس عقدہ کا شمالی حصہ راس یعنی سر اور جنوبی حصہ ذنب یعنی دم کہلاتا ہے۔
۷۔ ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا۔

وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں (اقبال)

۸۔ مادے کی وہ صورت جو کسی ایک صورت کی پابند نہ ہو اور ہر صورت کے ترک و قبول کی صلاحیت رکھتی ہو۔ صوفی بھی بے صفت ت ہوئے ہر صفت کے قبول و ترک کی صلاحیت رکھتا ہے۔

✪ ✪ ✪

قاعدہ فکر فی الانفس

کبھی کیا اصل پر سوچا بھی ہے تو نے یہاں اپنی
کہ ماں کے واسطے بن جائے باپ اس کا ہی ماں اسکی

جہاں کو سر بسر تو اپنے اندر دیکھ سکتا ہے
کہ سب سے بعد جو آیا وہی دراصل پہلا ہے

ہویدا سب سے آخر میں ہوا ہے نقش آدم کا
طفیل اس کے مگر دونوں جہاں پہلے کیے پیدا

سمجھتے ہیں جسے یعنی کہ ہم ہیں علت غائی
وہ ظاہر خودبخود ہوتی ہے آخر میں مرے بھائی

ظلومی اور جہولی نور کی اضداد ہیں دونوں
اگر سوچے تو پائے مظہر عین ظہو ان کو

کہ پشت آئنہ جب تک نہ زنگ آلود ہو جائے
نہیں ممکن کہ اپنی شکل اس میں سے نظر آئے

کرن سورج کی چوتھے آسماں سے گو اترتی ہے
نظر آتی ہے جب وہ خاک پر آ کر ٹھہرتی ہے

تو معبود ملائک ہے کہ خود اک عکس ہے اس کا
اسی باعث تجھے سارے ملائک نے کیا سجدہ

ہر اک تن تجھ سے پہلے جو ہوا ہے جان رکھتا ہے
اسی جاں سے ترے ساتھ اس کا اک پیوند بنتا ہے

ترے فرمان کے آگے اسی باعث وہ جھک جائیں
کہ ان میں سے ہر اک کی جان مضمر ہو گئی تجھ میں

تو مغز دہر ہے اس واسطے ہی درمیاں تو ہے
حقیقت کو سمجھ اپنی کہ خود جان جہاں تو ہے

ترا اس واسطے ربع شمالی[2] ہو گیا مسکن
کہ تن میں بھی بنایا بائیں جانب قلب کا مسکن

یہ عقل اور جان کی دنیا سمجھ ہے تیرا سرمایہ
زمین و آسماں قائم ہیں جب تک ہے ترا سایہ

نگاہ اس نیستی پر ڈال تو جو عین ہستی ہے
ذرا دیکھ اس بلندی کی طرف جو جان پستی ہے

طبیعی قوتیں ہر چند ہیں تجھ میں ہزاروں ہی
و لیکن ان گنت سی ہیں ارادی قوتیں تیری

یہ تجھ کو آیتیں اتنی اسی باعث عطا کی ہیں
یہ اعضا یہ جوارح اور رباطیں جس قدر بھی ہیں

سیانے[3] جس قدر ہیں غرق ہیں حیرت کے دریا میں
کہ وہ تشریح انسانی کسی صورت نہ کر پائیں

کسی سے بھی سمجھ لینا اسے ممکن نہ ہو پایا
کیا ہر ایک نے اقرار اپنی نارسائی کا

ہر اک کو حق نے رستہ دے کے یوں کر دی ہے حد بندی
اسی کے نام پر ہے ابتدا و انتہا سب کی

یہی ہے اسم قائم جس سے موجودات ساری ہے
یہی ہے اسم جس کی حمد ہر اک چیز کہتی ہے

یہی ہے اسم جو مبدء میں مصدر ہر کسی کا ہے
یہی ہے اسم جو برگشت کو در ہر کسی کا ہے

ہر اک مبدء میں اس در سے یہاں دنیا میں آتا ہے
اسی در سے مآل کار اس دنیا سے جاتا ہے

اسی باعث ہوئی اسما سے ساری آگہی تجھ کو
کہ ہے اک عکس کی صورت یہاں پر ذات حق کا تو

شعور علم ہو یا ہو ارادے اور قدرت تا
تجھی سے بندہ صاحب سعادت ہیں سبھی اس جا

سمیعی بھی بصیری بھی ہے تو حی اور گویا بھی
اگر تو نے بقا پائی تو پائی ہے اسی سے ہی

خوشا اول کہ سب سے بعد بلوایا گیا جس کو
خوشا باطن کہ اس دنیائے ظاہر کا جو جوہر ہو

گماں اپنے ہی بارے میں تجھے دن رات رہتا ہے
سمجھ پایا نہیں خود کو اگر تو یہ بھی اچھا ہے

اگر انجام ہو جائے تفکر کا تحیر پر
سمجھ لو قصہ بحث تفکر بھی ہوا آخر

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ جس طرح آدم سے حوا کی تخلیق ہوئی اسی طرح عقل کل سے نفس کل۔
۲۔ شمال اصل میں بائیں جانب کو کہتے ہیں۔ ابھرتے سورج کی طرف رخ کرکے کھڑا ہونے سے وہ علاقہ بائیں جانب ہوتا ہے جسے ہم شمالی کہتے ہیں۔
۳۔ دیکھیے خطبات اقبال کے اردو ترجمے میں بالڈین کا اعتراف عجز (دوسرے باب میں)

✪ ✪ ✪

سوال (۳)

بتا میں کون ہوں[۱] میں سے مری واقف مجھے کر دے
• سفر اندر کو کرنا کیا ہے اس سے بھی اٹھا پردے

جواب

تو مجھ سے پوچھتا ہے کیا ہے "میں" تجھ کو یہ بتلاؤں
وہ "میں" کیا ہے تجھے آگاہ یعنی اس سے میں کر دوں

ہم اپنی ہستی مطلق کو جب موسوم کرتے ہیں
سمجھنے اور سمجھانے کو "میں" نام اس کا دھرتے ہیں

تعین سے حقیقت ہو گئی جس دم معین تو
عبارت میں کہا جاتا ہے میں اس ہی معین کو

کہ عارض[۲] میں بھی ہوں اور تو بھی ہے ذات وجودی کا
مشبک ہے ہر اک ہم میں سے مشکات وجودی کا

وہی اک نور تاباں ہے بواطن میں ظواہر میں
کبھی ہے آئینے میں وہ کبھی مصباح پیکر میں

یہ میں کا لفظ ہونٹوں سے ترے جب بھی نکلتا ہے
تو اک واضح اشارہ اس میں روح ہونے کا ملتا ہے

مگر تو نے بنایا ہے خرد کو پیشوا اپنا
تجھے تیرا پتہ دے کیا جو خود ہی جزو ہے تیرا

نکل اس بھول سے پہچان اپنے آپ کو ڈھب سے
کہ ہم سوجن کو موٹاپا تو ہرگز کہہ نہیں سکتے

من و تو کی یہ کیفیت ورے ہے جان سے، تن سے
کہ یہ دونوں ہی "میں" کے ہیں حقیقت میں فقط ٹکڑے

نہیں مخصوص انساں سے ہی میں کا لفظ یہ تنہا
نہ تو سمجھے تعلق اس سے ہی مخصوص ہے جاں کا

بلند اپنے کو کر، اوپر نکل کون و مکاں سے تو
نہاں اپنے میں ہو کر پا فراغت اس جہاں سے تو

کہ ہائے ہویت[۳] کے اس خیالی خط پہ رہنے سے
بوقت دید وحدت کی جگہ دوئی ابھر آئے

مگر جب ہائے ہویت ہوئی اللہ سے، الحاق
نہ رہرو ہی رہا پھر اور نہ رستہ ہی رہا باقی

سمجھ ہستی بہشت، امکان کو تو جان لے دوزخ
من و تو ہی یہاں پر درمیاں دونوں کے ہے برزخ

اٹھے گا جس گھڑی بھی سامنے سے یہ ترے پردہ
مکلف تو کسی مذہب، کا مسلک کا نہیں ہو گا

یہ سب تکلیف شرعی ہے کہ میں موجود ہے تجھ میں
تن و جاں کے سبب اس سے تعلق اپنا ہم جانیں

من و تو درمیاں سے محو جس ساعت بھی ہو جائے
نہ پھر مسجد، نہ مے خانہ نہ آتش گھر ہی رہ پائے

تعین عین پر تیرے فقط نقطہ خیالی ہے
صفائے عین ہے گر غین[۴] کے نقطے سے خالی ہے

اگر سمجھیں تو سالک کی مسافت دو قدم ہی ہے
مہالک بھی بہت ہیں راہ میں لا ریب یہ بھی ہے

قدم پہلا ہے ہائے ہویت سے پار ہو جاتا
قدم ہے دوسرا صحرائے ہستی سے نکل پاتا

جماعت ہو کہ ہوں افراد یاں سارے برابر ہیں
کہ جیسے کل کے کل اعداد موجود اک کے اندر ہیں

نہ وہ کثرت ہے جس کو عین وحدت کہہ بھی سکتے ہیں
تو وہ وحدت ہے جس کو عین کثرت کہہ بھی سکتے ہیں

مگر اس راز کو سمجھے گا وہ ہی جو بنے راہی
سفر یکبارگی جزوی سے کر جائے سوئے کلی

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ دیکھئے خطبات اقبال میں یہ بحث (لیکچر چہارم)

۲۔ پنجرہ، جالی، فانوس۔ اصغر گونڈوی کا شعر ہے۔

لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے　　فانوس کے پردے میں کیا کیا نظر آتا ہے

۳۔ ھویت سے ذات حق مراد ہے۔ ھائے ہویت سے اس ذات کا تعین مراد ہے اسے خیالی اس لئے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں ذات مطلق کا تعین ممکن نہیں۔ ہمارا خیال صرف صفات الٰہی تک جا سکتا ہے۔ اور خط وہمی سے یہاں صفات ہی مراد ہیں۔ یعنی تعینات ذات مطلقہ۔

۴۔ غین سے ابر آلودگی مراد ہے۔ یہاں عین یعنی آنکھ کے حوالے سے آنکھ کا جالا مراد ہے جو بصارت کو متاثر کرتا ہے اور عین کو ایک نقطہ ہی غین بنا دیتا ہے۔ (ش)

✪ ✪ ✪

سوال (۴)

مسافر کس طرح کا' اس کا رستہ کس طرف کا ہے[1]
کریں تسلیم کامل مرد جس کو' کون ہوتا ہے

جواب

یہ مجھ سے پوچھتا ہے تو مسافر کون ہے رہ کا
جو اپنے آپ سے واقف ہوا ہو گا وہی ہو گا

سفر امکاں[2] سے واجب کو کرے کشفی طریقے سے
مگر پہلے جہان نقص[3] کو دامن سے وہ جھٹکے

مسافر ہے وہی جو راستہ تیزی سے طے کر لے
دھوئیں سے آگ کی صورت خودی سے پاک ہو جائے

.عکس سیر اول[4] کاٹتا جائے منازل کو
سفر اتنا کرے اک روز وہ انسان کامل ہو

قاعدہ

سمجھ اس بات کو پہلے تھی کیا موجود کی صورت
ہوا مولود جب انسان کامل تا بآں ساعت

اسے پہلے جمادی شکل و صورت میں کیا پیدا
اضافہ روح کا جب ہو گیا تو ہو گیا دانا

اسے قدرت سے ارزاں ہو گئی جنبش کی خوبی بھی
خدا نے بعد ازاں اس کو بنا ڈالا ارادی بھی

لگا ہونے اسے احساس گرد و پیش طفلی میں
اثر انداز اس پر ہو گئیں دنیا کی ترغیبیں

غضب بھی آ گیا' شہوت بھی اس میں ہو گئی پیدا
پھر ان سے بخل آیا' حرص آئی اور غرور آیا

بروئے کار جب آئیں صفات ناپسندیدہ
بہائم اور دیو و دد سے آگے دو قدم نکلا

تنزل کے لئے اس سے فروتر جا نہیں کوئی
کہ یہ وحدت کی منزل کے سراسر ہی الٹ ہو گی

سمجھ افعال ہی سے ان گنت کثرت یہ ہے پھوٹی
مقابل میں ہدایت کے کھڑی ہے اس سبب سے ہی

اگر رہنا قبول اس نے کیا اس دام کے اندر
تو حال اس کا سمجھ لو تم بہائم سے بھی ہے بدتر

میسر نور ہو اس کو اگر دنیائے معنی سے
کسی جذبے کی برکت سے، کسی برہان کے صدقے

دل اس کا لطف حق سے ہم زباں تب ہوتا جاتا ہے
اسی رستے پلٹ جاتا ہے جس رستے سے آتا ہے

ہو برہان یقینی سے کہ یا جذبے کے باعث ہو
بایمان یقینی راستہ مل جائے ہے اس کو

پلٹ آتا ہے وہ سجین[5] سے فجار کے گھر سے
ادھر جاتا ہے سچے نیک بندے ہیں جدھر جاتے

پلٹ آنے کے گن سے متصف اس دم ہی ہو جائے
گنا جاتا ہے یعنی منتخب اولاد آدم سے

برے افعال سے دامان ہو جاتا ہے پاک اس کا
نبی ادریس کی صورت ملے اس کو فلک چوتھا

صفات بد سے مل جاتی ہے اب یکسر نجات اس کو
بنا دیتے ہیں مثل نوح پھر صاحب حیات اس کو

جھٹک کر قوت جزوی کو کل سے ہو کے وابستہ
خلیل آسا پکڑ لیتا ہے وہ دامن توکل[6] کا

ارادہ جب رضائے حق سے شکر شیر ہو جائے
تو موسیٰ کی طرح وہ باب اعظم[7] میں جگہ پائے

علوم اکتسابی سے رہائی یوں ملے اس کو
کہ آخر حضرت عیسیٰ کی صورت وہ سماوی ہو

لٹا دیتا ہے وہ یکبارگی ہستی کو اب اپنی
کہ ہو معراج تقلید نبی میں بخت اس کا بھی

بہم ہو جائے نقطہ آخری جس وقت اول سے
وسیلے پھر رہیں باقی ملک کے اور نہ مرسل کے

تمثیل

نبی سورج کی صورت ہے، ولی کو چاند تم جانو
جہان لی مع اللہ میں مقابل ہوں بہم جانو

ہے معراج نبوت یہ صفائے ذات ہو اس میں
ولایت کو نہاں اس میں نہیں بلکہ عیاں پائیں

ولی میں ہے یہی بہتر ولایت ہو اگر پنہاں[8]
نبی میں لابدی اس کا عیاں ہونا بہر عنواں

ولی لیکن نبی کا پیروی میں چونکہ ہمدم ہے
مقامات ولایت میں نبی کا وہ بھی محرم ہے

سراغ راہ ان کنتم تحبون [9] ہے وہ پا کر
چلا جاتا ہے یحببکم کی خلوت گاہ کے اندر

پہنچ کر اس سرائے خاص میں محبوب ہو جائے
خدا اپنی طرف کھینچے اسے، مجذوب [10] ہو جائے

ولی کو جانیے طاعت شعار از روئے [11] معنی ہے
عبادت میں سدا مصروف اندر کوے معنی ہے [12]

نجات آخر وہ پا جائے ہے [13] (ہر روزہ) وظائف سے
کہ جب انجام کار آغاز [14] تک اپنے پہنچ جائے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ تمام نسخوں میں مصرع کا آخری حصہ "رہ رو کدام است" ہے لیکن میرے خیال میں "رہ گو کدام است" ہے کیونکہ پہلے حصے میں بھی مسافر کے آنے سے رہ رو تکرار محض ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ مسافر یعنی رہ رو کس طرح کا ہے۔ اور جس راہ پر وہ چل رہا ہے بتا وہ کس طرح کا ہے۔ اور چوتھے جوابی شعر میں اس راہ کی نشاں دہی کی ہے تو پہلے میں مسافر کیست در راہ آیا ہے۔ (ش)

۲۔ یہ سفر ہی اس کا مسئولہ اور مطلوبہ راستہ ہے۔

۳۔ مراد جہان عقل و حواس جن کا مادی دنیا سے تعلق ہے اور جو ناقص ذریعہ علم ہیں۔

۴۔ مادی تغیرات سے مطلق کی طرف سفر، جیسے کبھی تقیدات کی طرف ادھر سے آیا تھا۔

۵۔ فجار یعنی فاجر لوگوں کے اعمال درج کرنے کی کتاب۔ (۸۳/۷) سجین دوزخ کی ایک جگہ کا نام۔

۶۔ اشارہ بہ آیت قرآنی کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ پر توکل کرو۔

۷۔ رضا اور رجوع کا مقام۔

۸۔ اقبال (خطبات پانچواں خطبہ)

۹۔ آل عمران (۳۲) کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اسی صورت میں اللہ تم سے محبت کرے گا۔

۱۰۔ خدا نے جسے اپنی جانب کھینچ لیا ہو۔ اور یوں دنیا سے بے تعلق ہو گیا ہو۔

۱۱۔ یعنی در حقیقت

۱۲۔ الہیت

۱۳۔ تجرد اور فنا سے پھر تعلق اور بقا تک۔

✪ ✪ ✪

جواب تتمہ

سمجھ مردِ مکمل ہے وہی تکمیل پر جس نے
رکھا بارِ غلامی اپنے سر پر خواجگی کرتے

اور اس کے بعد جب اس کا سفر انجام پا جائے
خدا تاجِ خلافت اس کے سر پر آپ پہنائے

بقا مل جائے ہے اس کو فنا ہر چند ہو جائے
وہ انجام مسافت سے چلے آغاز کو پھر سے

بنا لیتا ہے اپنا اوڑھنا گویا شریعت کو
وہ ٹھہراتا ہے اپنا زیرِ جامہ اب طریقت کو

حقیقت تو سمجھ لے جس پہ وہ قائم ہے وہ ہو گی
کہ وہ خود ہی سمجھتا ہے حقیقت کفر و ایماں کی

باخلاق حمیدہ اس جگہ موصوف ہوتا ہے
وہ علم و زہد میں تقویٰ میں بھی معروف ہوتا ہے

یہ سارے وصف ہیں اس کے مگر وہ ماورا ان سے
چھتر سائے میں متمکن تجلی ہائے پنہاں کے

تمثیل

اگر تو مغز کو بادام کے جس وقت ہو کچا
نکالے کھوپری سے فائدہ اس کا نہ کچھ ہو گا

مگر جس وقت رہ کر خول کے اندر وہ پک جائے
حصول مغز کی خاطر روا ہے تو اسے توڑے

شریعت خول ہے اور مغز کی صورت حقیقت ہے
اور ان دونوں کے جو کچھ درمیاں ہے وہ طریقت ہے

خلل سالک کے رستے میں تو نقص مغز جیسا ہے
کہ پختہ مغز ہو جائے تو پھر بے سود چھلکا ہے

یقیں کے ساتھ عارف کا ہوا پیوند جب پیدا
سمجھ لے مغز پختہ ہو گیا اور خول اب ٹوٹا

وجود اس کا نہیں ایسا کہ دنیا میں سما جائے
ہوا رخصت اگر اک بار دوبارہ کہاں آئے

جس کو خول کے اندر شعاع مہر حاصل ہو
ملے ممکن ہے مہلت اور بھی اک فصل کی اس کو

اسے تاثیر آب و خاک۔ ایسا نخل کر جائے
کہ اس کی شاخ ساتوں آسمانوں سے ادھر جائے

اور اب کی بار وہ جو کل بظاہر ایک دانہ تھا
خدا کے فضل سے سو اور اپنے سے کرے پیدا

شجر تک طے سفر اک بیج کا جس طور ہوتا ہے
یونہی نقطوں سے خط اور خط سے پیدا دور ہوتا ہے

سفر سالک نے جب کہ دائرے کا کر لیا پورا
سمجھ لو آخری نقطے سے پھر اول تلک پہنچا

دوبارہ وہ کسی پرکار کی مانند جائے گا
کیا تھا کام جو کل ہاتھ پھر اس پر ہی ڈالے گا

سفر اپنا مکمل کر دکھائے گا وہ جس لمحے
خدا تاج خلافت اس کے سر پر اس گھڑی رکھ دے

تناسخ[۲] اس کو مت کہیے کہ یہ از روئے معنی ہیں
ظہورات (خداوندی) کہ جو محو تجلی ہیں

جو مجھ سے پوچھتا ہے یہ بتاؤں انتہا کیا ہے[۳]
مرا کہنا یہی ہے ابتدا کو لوٹ جاتا ہے

قاعدہ

نبوت کی ہوئی تھی ابتدا ہر چند آدم سے
کمال اپنے پہ وہ پہنچی تھی لیکن ذات خاتم سے

ولایت کا مگر جو سلسلہ تھا وہ رہا چلتا
جہاں میں چل کے اک نقطے سے دور اس نے کیا پورا

و لیکن ذات خاتم میں ظہور اس کا ہوا کلی
ہیں جا کر ختم ہوتے سلسلے دونوں اسی پر ہی

ہیں جتنے اولیا اس کے لئے صورت ہیں اعضا کی
وہ کل ہے اور یہ سارے کے سارے شکل اجزا کی

مگر خواجہ[۴] کے ساتھ اس کی مکمل چوں کہ نسبت ہے
یہاں سب کے لئے اس کے ہی دم سے عام رحمت ہے

وہی ٹھہرے گا یعنی مقتدا دونوں جہانوں کا
خلیفہ بھی وہی اولاد سے آدم کی ٹھہرے گا

تمثیل

علیحدہ ہو گیا جس وقت شب سے نور سورج کا
نظر آئی سحر تو نے طلوع و استوا دیکھا

پھر اک بار اور چرخ گردش کے ایک چکر سے
زوال و عصر و مغرب بھی ہویدا ہو گئے سارے

نبی کا نور تو خورشید اعظم کی طرح جانے
کبھی آدم میں وہ چمکے، کبھی موسیٰ میں وہ چمکے

نظر تاریخ عالم کی طرف اپنی جو دوڑائے
تو تدریج مراتب کی سمجھ تجھ کو بھی آ جائے

ظہور نور ہے اس کا جسے کہتا ہے تو سایہ[۵]
جسے سایہ کہے ہے دین کی معراج کا پایہ

زمان خواجہ ہے ہم جس کو وقت استوا جانیں
اسے سائے سے اور ظلمت سے بالکل ماورا جانیں

کھڑے ہو جائیں سیدھے گر تو خط استوائی میں
نہ آگے پیچھے دائیں بائیں سائے کو کہیں پائیں

اسی صورت رہ حق پر ہے احمدؐ کی اقامت بھی[۶]
کہ آیت اس نے تھی ملحوظ رکھی فاستقم والی

اسی باعث تھا سایہ آپؐ کا خالی سیاہی سے
کہ یہ ممکن نہ تھا نور خدا، ظل الٰہی سے

ملا قبلہ بھی شرق و غرب ہی کے درمیاں اس کو
اسی سے نور میں ہم غرق پائیں ہر زماں اس کو

اسی کے ہاتھ سے جس دم مسلماں ہو گیا شیطاں[۷]
اسی ساعت ہوا سایہ مرا پاؤں تلے پنہاں[۸]

مراتب ہیں یہاں جتنے بھی ہیں پائے تلے اس کے
وجود خاکیاں ہے سر بسر سائے تلے اس کے

ولایت سایہ گستر ہے تو اس کے نور ہی سے ہے
مغارب ہیں مشارق کے برابر (فیض سے اس کے)

ہر اس سائے سے جو پہلے پہل حاصل ہوا پائیں
ہم آخرکار سایہ اور اک اس کے مقابل میں

یہ اب عالم ہے عالم ایک اک احمدؐ کی امت کا
نبوت میں رسولوں کے مقابل ہے کھڑا پایا

رسول پاک اپنے تھے مگر اکمل رسالت میں
مقام ہر اک ولی سے ان کا اونچا اس لئے سمجھیں

ولایت ذات احمد میں تماماً ہو گئی ظاہر
ہوئی ہے نقطۂ اول پہ ہی یعنی کہ ختم آخر

اسی کے فیض سے امن و اماں سارا جہاں پائے
نبات و جانور میں سے ہر اک اس سے، ہی جاں پائے

نہ رہ جائے گا اک بھی شخص اب کافر زمانے میں
صحیح انصاف ہو جائے گا پھر ظاہر زمانے میں

وقوف حق بیمن سر وحدت ہو نصیب اس کے
نظر آ جائے چہرہ ذات مطلق کا اسی میں سے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ اقبال کا تصور سروری۔

۲۔ تناسخ سے مراد روح کا نئے بدن میں منتقل ہو جانا ہے۔ لیکن یوں بھی ہوتا ہے کہ عالم غیب میں گئی ہوئی بعض روحوں کے تمثیل عالم شہادت میں موجود ہوتے ہیں اور ان کو ہی ظہورات کہتے ہیں۔

۳۔ کہ میں اس سوچ میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے (اقبال)

۴۔ ذات خداوندی

۵۔ کیوں کہ سایہ دلیل خورشید ہوتا ہے اور یوں کفر دلیل ایماں

۶۔ جس طرح آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق استقامت سے کام لیں۔ (۱۱/ ۱۱۲)

۷۔ ایک روایت کے مطابق رسول خداؐ نے لوگوں کو بتایا تھا کہ ان کا شیطان ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا ہے اور اب وہ ان کو راہ سے نہیں بھٹکا سکتا۔

۸۔ یعنی ظلمت دب گئی۔

✪ ✪ ✪

(۵)

بھلا وہ کون ہے وحدت کا جس نے بھید پایا ہے
ہے کیسی آگہی جس نے اسے عارف بنایا ہے

جواب

اسی کو راز سے وحدت کے ہو بیاں سب کبھی
پڑاؤ سے نہ اپنا دل کرے وابستہ جو راہی[1]

سمجھ لے تو کہ عارف ہی شناسائے وجودی ہے
وجود مطلق اس کے واسطے یکسر شہودی ہے

نہ ہستی کے سوا ہستی حقیقی ایک بھی جانی
اور اس میں اپنی ہستی کی بھی دے دی اس نے قربانی

نہیں ہے اس جگہ ہستی تری خاشاک سے بڑھ کر
سراسر پاک ہو جا پھینک دے گھر سے اسے باہر

یہی بہتر ہے جھاڑو دے حریم دل میں تو پہلے
جگہ محبوب اپنے کے لئے تیار کر ڈھب سے

نکل جائے گا تو باہر تو وہ تشریف لائے گا
تو بے خود ہو گا جب تجھ کو جمال اپنا دکھائے گا

نوافل کے ادا کرنے سے وہ محبوب بن جائے
کہ اپنے گھر میں لا سے دے دیا جھاڑو یہاں جس نے

اسی کو منزل محمود میں جانا میسر ہو
نشاں مل جائے ہی یسمع[2] کا ہی یبصر کا پھر اس کو

رہے گا جب تلک دامن پہ دھبا اس کے ہستی کا
کبھی عین الیقیں تو علم عارف ہو نہ پائے گا

کرے گا تو نہ روکیں دور جب تک اپنے رستے کی
کبھی اندر ترے دل کے کرن کوئی نہ پھوٹے گی

جہاں میں جس طرح تعداد میں ہیں چار ہی روکیں
ہیں ان سے پاک ہو جانے کی بھی اتنی یہاں شکلیں

طہارت اولیں یہ ہے نجاست سے پرے رہنا
گنہ سے، وسوسوں کے شر سے ثانی ہے پرے رہنا

بری عادات سے ہے تیسری (امکان بھر) بچنا
درندہ آدمی تاثیر سے ہے ان کی ہو جاتا

چہارم غیر سے ہے دل کو اپنے پاک کر لینا
کہ اس منزل پہ آ کر ختم ہوتا ہے سفر سارا

ہوئیں جس کو میسر یہ طہارات اس جگہ ساری
خدا سے گفتگو کا اہل بنتا ہے یہاں وہ ہی

کرے گم جب تلک یعنی نہ اپنے آپ کو کل میں
تری ساری نمازیں اے نمازی بے ثمر نکلیں

مگر جب ذات پر تیری رہا دھبا نہ کوئی بھی
نماز اے قرۃ العین اس گھڑی سچی تری ہو گی

کوئی باہم تفاوت بعد اس کے جب نہ رہ جائے
نہ معروف اور نہ عارف ہوگا' دونوں ایک ٹھہریں گے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ اقبال۔ ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا۔

۲۔ حدیث نبوی : جب کوئی بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کر لیتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں ہی اس کا کان اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور وہ میرے ہی کان سے سنتا ہے اور میری ہی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

✪ ✪ ✪

سوال (۶)

وہ ذات پاک عارف بھی اگر معروف بھی ٹھہرے
تو کیا سودا سا ہے سر میں سمایا مشت خاکی کے

جواب

نہ اس پر ناسپاسی کر تجھے نعمت جو دی حق نے
کہ تو پہچان پائے حق کو لیکن نور سے حق کے

سمجھ لے تو نہیں معروف و عارف دوسرا کوئی
اگرچہ خاک کو خورشید سے ملتی ہے تابانی

تعجب ہو تو کیوں ہو آس ذرہ بھی اگر رکھے
کہ خوان خور سے کچھ کچکول میں اس کے پہنچ جائے

اگر تو ذہن میں لائے مقام و حال فطرت کو
بہ آسانی سمجھ جائے گا پھر تو اصل فکرت کو

الست کس لئے ایزد نے (اس دن) کہہ دیا آخر
بلیٰ جس نے جواباً" کہہ دیا تھا کون تھا آخر

سمجھ لے تو کہ جب گوندھی گئی تھیں مٹیاں سب کی
اسی دن ہی لکھا تھا لوح دل پر حرف ایماں بھی

کبھی تو آج بھی اے کاش اس تحریر کو پڑھ لے
ترا مقصود جو کچھ ہے یقیں ہے تو سمجھ جائے

کیا تھا تو نے کل اقرار اپنے عبد ہونے کا
جسے تو آج نادانی سے ہے یک سر بھلا بیٹھا

کلام حق اگر نازل ہوا تو مدعا یہ تھا
کہ تجھ کو یاد دلوائے وہ عہد اولیں تیرا

اگر میثاق کے دن تو نے حق کو دیکھ پایا ہے
یہاں بھی مطمئن رہ تو کہ اس کو دیکھ سکتا ہے

صفات اس کی عیاں ہیں ہر طرف تو دیکھ اب ان کو
کہ اس کی ذات کا دیدار بھی کل تجھ کو ممکن ہو

وگرنہ کوشش بے سود سے حاصل نہ کچھ ہو گا
سمجھ لے تو کہ لا یہدی بھی ہے قرآن میں آیا

تمثیل

بھلا اندھے کو کیا معلوم ہو گا رنگ ہے کیا شے
ہزاروں سال بھی تو نقل اور برہاں اگر لائے

سفید و زرد کیا ہے، سرخ کیا ہو گا، ہوا کیا ہے
سمجھ سکتا نہیں دنیا میں ظلمت کے سوا کیا ہے

جو مادر زاد اندھا ہو گا (ظاہر ہے) وہ بیچارا
کبھی سرمہ فروشوں سے بصارت پا نہیں سکتا

خرد[2] کو بھی یہاں پر جان لے (احوال عقبیٰ میں)
ملی ہیں کور مادر زاد کی مانند ہی آنکھیں

ورائے عقل[3] بھی انسان نے کچھ فیض پایا ہے
کہ اسرار نہانی اس کے باعث ہی وہ سمجھا ہے

وہ شے ہے آگ ہو جیسے نہاں سنگ اور آہن میں
خدا نے اس کو رکھا ہے ہماری جان میں' تن میں

بہم ٹکرائیں جب یہ سنگ و آہن ایک دوجے سے
اجالا دو جہانوں میں ہو سارا نور سے اس کے

اسی مجموع[4] سے یہ راز ہوتا ہے ہویدا بھی
مری اس بات کو تو آزما اب ذات پر اپنی

زمانے میں تو ہی تو نسخہ نقش الٰہی ہے
طلب کر خود سے تو خواہش تجھے جس چیز کی بھی ہے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ ہدایت نہیں دیتا۔ یعنی ہر ایک میں ہدایت پانے کی صلاحیت نہیں ہے۔
۲۔ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں (اقبال)
۳۔ ورائے عقل ملکہ جسے عرفان کہتے ہیں۔
۴۔ یعنی جان اور تن کے ملاپ سے۔ علیحدہ علیحدہ دونوں میں وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوتی جس سے اسرار نہانی کو سمجھا جا سکے۔

✪ ✪ ✪

سوال (۷)

ہے نقطہ کون سا جس کی انا الحق نے وضاحت کی
ترا کہنا ہے بیہودہ سی وہ تو رمز مطلق تھی

جواب

انا الحق ہے بلب ناوردنی رازوں کا کہہ دینا
بجز حق کون ہے نعرہ لگائے جو انا الحق کا

سبھی ذرات ہیں منصور کی مانند دنیا کے
انہیں تو مست ٹھہرائے، انہیں مخمور گردانے

ثنا خواں ہیں وہ سارے، حمد میں مصروف ہیں دائم
اسی اپنے وظیفے پر ہمیشہ سے ہیں وہ قائم

اگر تو چاہتا ہے سہل تجھ پر بھی یہ ہو جائے
و ان من شئی کو لازم ہے کہ تو قرآن میں پڑھ لے

کیا ہے وقت ضائع، تو نے جتنی پنبہ کاری کی
کبھی حلاج کی مانند نعرہ اس طرح کا بھی

اگر کانوں سے تو پندار کی روئی کرے باہر
ندائے واحد القہار سن پائے گا خود آخر

خدا مژدہ سناتا ہے تجھے ہر دم دوامت کا
نہ جانے کس لئے تو ہو گیا بندہ قیامت کا

نکل آ تو کسی دن وادی ایمن کی جانب بھی
صدا آئے تجھے بھی پیڑ سے انی انا اللہ کی

اگر انی انا اللہ پیڑ کا کہنا بجا ٹھہرے
تو پھر اک بھاگ والے پر یہ کیسے ناروا ٹھہرے

وہی سمجھے گا جس میں رخنہ اندازی نہیں شک کی
بجز اس کے نہیں ہستی یہاں پر دوسری کوئی

انائیت[۳] سمجھ تو زیب دیتی ہے خدا ہی کو
ادھر پندار ہے اور وہم ہے وہ جو کہ غائب ہو

جگہ کوئی نہیں ہے حضرت سبحاں میں دوئی کی
نہ دوئی کی نہ مائی کی وہاں پر اور نہ توئی کی

یہ میں اور ہم، یہ تو اور وہ، سبھی کچھ ایک ہی تو ہے
جہاں وحدت ہے، ہو گی دوسری کون اس جگہ پر شے

خلا کی طرح جو کوئی خودی سے ہو گیا خالی
انا الحق ہو گئی صوت و صدا اس کے ہی اندر کی

فیض[4] وجہ باقی غیر ہالک وہ بھی ہو جائے
سلوک و سیر و سالک کے رہیں موجود کب پردے

حلول و اتحاد ہر دو کو ناممکن ہی گردانو
کہ وحدت میں دوئی کی سوچ کو بے رہروی جانو

حلول و اتحاد اے جاں سمجھ لے غیر کا ثمرہ
مگر وحدت جسے کہتے ہیں وہ ہے سیر کا ثمرہ[5]

تعین ہے، سمجھتا ہے جدا ہستی سے تو جس کو
ہے ناممکن کہ حق بندہ ہو یا برعکس اس کے ہو

حلول و اتحاد اس جگہ پر امر محالی ہے
کہ وحدت ہو دوئی بھی ہو یہ اک کار ضلالی ہے

یہاں مخلوق کی جتنی بھی کثرت ہے نمودی ہے
نہ ہر وہ چیز جو تجھ کو نظر آتی ہے بودی ہے

تمثیل

ذرا دیکھ آئینے کو بھی کبھی رکھ کر مقابل تو
نظر اک اور ہی شخص اس میں آئے گا وہاں تجھ کو

پھر اس کے بعد اندازہ لگا وہ شخص ہے کیا شے
کہ ہے کون عکس اگر یہ بھی نہیں وہ اور نہ وہ یہ ہے

معین[6] جب کہ میں خود بھی ہوں اپنی ذات کے اندر
حقیقت اپنے سائے کی مجھے معلوم ہو کیوں کر

عدم، ہستی میں ضم ہو جائے! ممکن ہے بھلا کیسے
کبھی نور اور ظلمت کو بہم دیکھا نہیں ہم نے

نہیں کل کی[7] طرح کل کی حقیقت ماہ و سال اپنے
بجز اک نقطہ موجود[8] کے سوچیں تو کیا ہوں گے

خیالی سا یہ اک نقطہ سدا حرکت میں رہتا ہے
یہی نقطہ ہے اک جوئے رواں تو جس کو کہتا ہے

نہیں اس دشت کے اندر بجز "من" دوسرا کوئی[9]
وگرنہ اس صدا و صوت کی ہی کیا ضرورت تھی

عرض فانی ہے اور جوہر مرکب جان لے اس کا
وہ کب تھا آپ اور اس کے مرکب کی حقیقت کیا

ہیں سب اجسام ہی فانی، یہ لمبے چوڑے اور گہرے
بھلا! دست عدم خلعت وجودی کس کو پہنائے

یہی ہے جنس جس سے جگ کا سارا تانا بانا ہے
سمجھ جائے تو پھر لازم تجھے ایماں لانا ہے

سو الحق کا لگے نعرہ یہاں پر یا انا الحق کا
حقیقت ہے یہی حق کے سوا کوئی نہیں دوجا

جدا ہستی سے یہ نو نمود وہم کو کر دے
نہ ہو بیگانہ اس سے اور خود کو آشنا کر لے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ یہاں کوئی چیز بھی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح خواں نہ ہو (ق ۱۰/۲۹)

۲۔ سورت القصص آیت ۳۰

۳۔ یعنی حاضر ناظر کو ھو نہیں کہا جا سکتا جو صیغہ غائب ہے اور اسے انانیت ہی زیب دیتی ہے۔

۴۔ عرفانی مفکروں کے نزدیک ہر موجود میں ایک حصہ ہی موجود یعنی باقی رہنے والا ہوتا ہے اور دوسرا ہلاک ہو جانے والا۔ اور بقا اسی باقی رہنے والے حصے کی بدولت حاصل ہوتی ہے نہ کہ ہالک کے سبب۔

۵۔ ذات کے تنزلات

۶۔ وجود غیر حقیقی (یعنی وہ جو اعتباری ہو)

۷۔ دیکھئے خطبات اقبال میں بحث زماں۔

۸۔ جسے حال مانا جاتا ہے وہ اصل میں ایک خیالی نقطہ ہے۔ زمانے کو یہاں چلتے پانی سے تشبیہ دی ہے کہ اس کا بھی ماضی حال اور مستقبل نہیں ہوتا۔ (دیکھئے بال جبریل میں ساقی نامہ)

۹۔ یہاں اشارہ تیسرے سوال کی طرف بھی ہے اور ساتویں سوال کے اس جواب کی طرف بھی کہ یہاں کا ذرہ ذرہ انا الحق کہہ رہا ہے۔ صدا و صوت میرے خیال میں اسی انانیت کا اظہار ہیں جس کا احساس و اظہار حیوانات میں ہوتا ہے۔ نباتات و جمادات میں نہیں۔

✪ ✪ ✪

سوال (۸)

سمجھ لیتے ہیں ہم مخلوق کو واصل[1] بھلا کیسے
سلوک و سیر اس کو ہو گئے حاصل بھلا کیسے

جواب

وصال حق تو خلقیت کے بندھن سے رہائی ہے
کہ اپنے آپ سے بیگانگی ہی آشنائی ہے

جھٹک دیتا ہے جب دامن سے ممکن گرد امکاں کی
کوئی بھی چیز واجب کے سوا باقی نہیں رہتی

خیال محض[2] ہے سمجھو وجود دو جہاں سارا
بقا کے ساتھ ہے نقصان آمادہ بھی بیچارا

مگر مخلوق واصل کو بتاؤ کہہ سکیں کیسے
بھلی لگتی نہیں یہ بات لب سے مرد کامل کے

عدم کو کب بھلا اس در کے اندر باریابی ہو
خداؤں کے خدا سے کیا تعلق ہو گا مٹی کو

عدم یہ کس طرح ممکن ہے حق سے ہو سکے واصل
اور اس سے (طرفہ تر یہ) ہوں سلوک و سیر بھی حاصل

اگر آگاہ ہو جائے تری جاں اس حقیقت سے[3]
تو استغفار اسی لمحے ترے ہونٹوں پہ آ جائے

کہ تو معدوم ہے وصف عدم ہے وہ رہے ساکن
پہنچ سکتے نہیں واجب تلک معدوم اور ممکن

عرض کے دم سے ہی پائے تعین اس جگہ جوہر
عرض خود وہ ہے رہ پائے نہ جو دو آن کے اندر

وہ دانا لوگ جو اس باب میں تصنیف والے ہیں
مرکب جسم ابعاد ثلاثہ سے بتاتے ہیں

سمجھتے ہیں ہیولیٰ[4] جس کو وہ معدوم مطلق ہے
مگر صورت پکڑتا ہے وہی، یہ بھی محقق ہے

مگر صورت کوئی بھی ہو، ہیولیٰ[4] خود عدم ہو گی
بغیر اس کے عدم ہو گا اسی صورت ہیولیٰ بھی

یہ دو معدوم ہیں، اولاد سب اجسام ہیں جن کی
اور اس سے بڑھ کے آگاہی نہیں بالکل ہمیں اس کی

سمجھ تو ان کی ماہیت وہ جیسی اور جتنی ہے
نہ معدومی قبا اس پر نہ موجودی ہی پھبتی ہے

نظر کر اس طرف بھی تو حقیقت کیا ہے امکاں کی
بغیر اس کے نہیں ممکن یہاں پر ہو کوئی ہستی

ہے سریان وجودی تو علی وجہ الکمال اس کے
یہ سارے اعتباری ہیں تعین ہیں یہاں جتنے

ہوا جو اعتباری کس طرح موجود کہلائے
عدد ہیں ان گنت گنتی میں لیکن ایک ہی آئے

جہاں پر جو گمان ہست ہوتا ہے مجازی ہے
سراسر اس کی کیفیت بسان لہو و بازی ہے

تمثیل

فضاؤں میں سمندر سے بخارات اٹھتے رہتے ہیں
وہ صحراؤں پہ پھر سے امر حق پا کر برستے ہیں

کرن سورج کی چوتھے آسماں سے جب اترتی ہے
اترتے ہی وہ ہم آغوش ہو جاتی ہے پانی سے

بلندی کی طرف پھر جب تپش سورج کی جاتی ہے
تو دامن گیر اس کی موج بھی دریا کی ہوتی ہے

جب ان دونوں سے مٹی اور ہوا یک جان ہوتے ہیں
تو ہریاول کے اگنے کے یہاں سامان ہوتے ہیں

غذائے جانور کی شکل میں تبدیل ہوتی ہے
اتر کر جسم انسانی میں یہ تحلیل ہوتی ہے

پھر اس کے بعد نطفہ بن کے کتنے روپ لے جائے
اور آخرکار اس سے آدمی اک اور ہو پائے

بدن میں نور نفس ناطقہ کچھ اس طرح آیا
کہ روشن اور لطیف اس سے ہوا یہ خاک کا جایا

طفولیت' جوانی اور کہولت بعد ازاں پیری
بڑھے یوں ہر قدم تدبیر و رائے و عقل و آگاہی

جناب پاک سے زاں بعد پیغام اجل آئے
ملائے خاک سے خاک اور روح سے روح مل جائے

نبات آسا سمجھ اجزائے عالم ہیں یہاں سارے[۵]
حیات اک بحر ہے' یہ ایک قطرہ اس سمندر سے

گذر جاتا ہے جب وقت مقرر ان کا وہ پھر سے
اسی آغاز اور انجام کے چکر میں ہیں پڑتے

ہر اک ان میں سے بھاگم بھاگ جاتا ہے سوئے مرکز
نہیں ممکن طبیعت سے کہ چھوڑے وہ خوئے مرکز

یہ وحدت ایک دریا ہے مگر دریائے خوں جس میں
ہزاروں پاگلوں کی شکل میں اٹھتی رہیں موجیں

ذرا دیکھو ادھر دریا سے اٹھ کر قطرہ بارش کا
بدلتا ہے کئی شکلیں، بدلتا ہے کئی اسما

کبھی ہے بھاپ پانی اور بارش نم، کبھی مٹی
نباتات اور حیوانات اور انسان کامل بھی

یہ جو کچھ ہے یہاں پہلے پہل تو ایک قطرہ تھا
ہوئیں صورت پذیر اس طور یاں جتنی بھی ہیں اشیا

جہان عقل و نفس و چرخ یہ اجرام کا سارا
سمجھ لے انتہا و ابتدا سے جیسے وہ قطرہ

ستاروں کو فلک کے جب اجل لقمہ بناتی ہے
تو ہستی نیستی میں سربسر ہی ڈوب جاتی ہے

ابھر کر موج دنیا کو کوئی یکسر مٹا جائے
کان لم[۶] تغن بالامس اک حقیقت بن کے آ جائے

خیال و خواب جتنے ہیں سبھی معدوم ہوتے ہیں
سوائے ذات حق رہتا نہیں کوئی بھی اس گھر میں

یہی لمحہ ہے وہ ہوتی ہے قربت جب تجھے حاصل
کہ بے خود ہو کے ہی ممکن ہے ہونا یار سے واصل

یہ ہے رفع خیال[۷] اس جگہ پر جو وصل کہلائے
وصال آخر یہی ہے غیر اس محفل سے اٹھ جائے

نہ یہ کہہ تو تجاوز اپنی حد سے کر گیا۔ ممکن
کہ واجب اس کا یا واجب کا وہ ہونا ہے ناممکن

معانی میں یہاں جو شخص بھی اے دوست فائق ہے
کہے گا کب بھلا وہ یوں کہ یہ قلب حقائق ہے[۸]

تمہارے سامنے صاحب مرے ہیں نشاتیں کتنی
کیا ہے غور تو نے آمد و شد پر کبھی اپنی

یہ جز کیا ہے یہ کل کیا ہے، یہ نشاۃ کیا ہے انساں کی
کروں گا اس طرح سے بحث الجھن رہ نہ پائے گی

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ مخلوق اصولاً وہ ہے جو جدا ہے اور واصل نہیں ہے۔ اور اگر وہ واصل ہے تو سلوک و سیر اسے کیوں کر حاصل ہوئے کہ وہ بھی جدائی کی دلیل ہیں۔

۲۔ ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد۔ عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

۳۔ کہ میں نے مخلوق کو واصل کیوں کہا۔

۴۔ مادہ خود ایک اعتباری سی شے ہے اور خارج میں اس کا وجود نہیں ہے۔ ہیولیٰ اس مادے کی ایک صورت ہے اس لئے معدوم مطلق۔

۵۔ بیج سے چل کر بیج پر ہی اس کی انتہا ہوتی ہے۔ اسی طرح کائنات اسی سے چلی اسی پر اس کا انجام ہے۔

۶۔ جیسے کل یہاں اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ (سورہ یونس ۲۴)

۷۔ غیریت اور دوئی کے پردے کا یا احساس کا جاتے رہنا

۸۔ حقائق کے اس

✪ ✪ ✪

سوال (۹)

وصال واجب و ممکن ہو کیسے کھول یہ عقدہ
یہ قرب و بعد کیا ہے اور کیا ہے بیش و کم ہونا

جواب

کمی بیشی نہیں اس میں یہ مجھ سے بات تو سن لے
ہوا تو دور اپنے آپ کے نزدیک ہونے سے

عدم میں کار فرما جان لے ہستی ہوئی جس دم
اسی سے قرب و بعد ابھرے، اسی سے ہے یہ بیش و کم

قریبی وہ ہے جس پر نور کی رہتی ہے رم جھم سی
عدم ہے بعد، ہستی سے ہوئی جس کے لئے دوری

اگر اپنا ذرا سا نور بھی تجھ تک وہ پہنچائے
تری ہستی کے چنگل سے تجھے بالکل ہی چھڑوائے

بھلا اس بود سی نابود سے حاصل ہی کیا ہو گا
کہ جس سے بیم میں گاہے رجا میں مبتلا ہو گا

نہیں ڈرتا ذرا بھی اس سے جو پہچان والا ہے
کہ بچہ اپنے سایے سے بھی ناسمجھی سے ڈرتا ہے

اگر تو چل پڑے گا خوف پھر باقی نہیں ہو گا
کہ تازی کو کبھی درکار ہوتا ہی نہیں کوڑا

بھلا تو آگ سے دوزخ کی سہمے بھی تو کیوں سہمے
نہیں (آلود) جب ہستی کی جسم و جان میں تیرے

اگر خالص ہو سونا آگ دمکاتی ہے اور اس کو[1]
نہ ہو گی جب ملاوٹ وہ جلائے گی بھلا کس کو

سوا تیرے نہیں کوئی رکاوٹ راہ میں تیرے
اسی باعث تجھے لازم ہے یہ بچ کر رہے اس سے

اگر تو پھنس گیا اس اپنے پن کے جال کے اندر
تو تیرے درمیاں پردہ بنے گا یہ جہاں یکسر

تو ہی تو دور ہستی میں وہ جز ہے جو کہ اسفل ہے[2]
تو ہی نقطہ ہے وہ وحدت کے جو بالکل مقابل ہے

تعین تجھ پہ طاری ہیں جہاں کے اس لئے (پگلے)
"کوئی مجھ سا نہیں" شیطان کی مانند تو سمجھے

اسی باعث سمجھتا ہے کہ ہوں مختار کل میں تو
کہے مرکب بدن کو اور کہے اسوار تو جاں کو

بدن کی باگ دست روح میں قدرت نے پکڑا کر
مکلف مجھ کو ہر تکلیف کا ٹھہرا دیا آخر

تجھے لیکن نہیں احساس یہ آتش پرستی ہے
یہاں ہر آفت و شومی کی جڑ تیری یہ ہستی ہے

سمجھ سکتا ہے تو دانا ہے من مرضی یہاں کیسی
کہ جب باطل یہاں پر ہے ہماری ذات اپنی ہی

ترا ہونا ہی جب دراصل نا ہونا یہاں پر ہو
بتا پھر اختیار آخر کہاں سے مل گیا تجھ کو

وجود اپنا ہی یہ جس کا نہیں ہے اس جگہ اپنا
تو اپنے طور پر چنگا ہی ٹھہرے گا نہ وہ مندا

کسے دیکھا ہے تو نے ہر دو عالم میں یہاں آخر
کہ بے غم کے میسر اس کو آئی ہو خوشی یکسر

سمجھ تو اس جگہ پر کس کا ہر سپنا ہوا پورا
ملا کس کو کمال ایسا نہ جس پر پھر زوال آیا

مراتب ہیں فقط باقی کہ خود اہل مراتب تو
بزیر امر حق ہیں اور کہو غالب خدا ہی کو

موثر جان لے ہے ہر جگہ ذات خداوندی
رہے (بہتر یہی ہے) تو یہاں پر اپنی حد میں ہی

ہے کیا شے اختیار' اس پر ہے شاہد حال خود تیرا
اسی سے جان لے مختار کہنا ہے کسے زیبا

وہ جس نے بھی یہاں پر کیش غیر از جبر اپنایا[۳]
بسان گبر [illegible] نبیؐ نے [illegible] فرمایا

مثال گبر جو یزداں کو' اہرمن و [illegible]
یہ ناداں بھی من و تو کے تفاوت کو بجا جانے

حقیقت میں مجازی نسبت افعال ہم سے ہے
کہ خود نام و نسب ہی لغو اور بیکار سی شے ہے

نہیں تھا تو ابھی' تیرا کیا تھا جب عمل پیدا
تجھے مخصوص سا اک کام کرنے کو یہاں بھیجا

جو خود ہے نا مسبب آپ اس دانائے برحق نے
کیا فرمان مطلق ایک جاری اپنی حکمت سے

بدن کے جان کے مخلوق ہو جانے سے پہلے ہی
معین اور مقرر ہو گئی تھی کار ہر اک کی

ہزاروں سال ہی اک نے اطاعت میں گذارے تھے
مگر اس کے مقدر میں لکھے تھے طوق لعنت کے

اور اک نے معصیت کرنے پہ بھی نور صفا پایا
ہوا تائب تو اس کو اصطفا کا تاج پہنایا

عجب تر ہے کہ ترک حکم کرنے پر بھی آدم نے
لئے تحفے خدا کے لطف سے غفران و رحمت کے

ادھر وہ دوسرا ملعون اس کے ہی سبب ٹھہرا
سمجھتا ہے تو خود ہی اپنے کاموں کو خداوندا

جناب کبریا کی ذات میں اک بے نیازی ہے
منزہ ہے ہمارے وہ قیاسات خیالی سے

ازل کے روز اے کم بخت تو کس طرح سمجھے گا
ہوا کیوں اک محمدؐ اور ابو جہل ایک کہلایا

خدا کے ساتھ جس نے بھی کوئی چون و چرا کی ہے
کسی مشرک کی صورت بات کوئی ناسزا کی ہے

اسی کو زیب دیتا ہے کرے وہ باز پرس اس پر
کریں ہم اعتراض اس پر' ہماری حد سے ہے باہر

خداوندی تو ہے ساری کی ساری کبریائی میں
نہ علت ڈھونڈھ تو کوئی یہاں فعل خدائی میں

خدا مالک ہے' ہم پر قہر یا وہ لطف فرمائے
مگر بندے کو لازم ہے کہ شکر و صبر اپنائے

کرامت ہے بفیض اضطرار انسان نے پائی[۴]
بوجہ اختیار اس کے یہ دامن میں نہیں آئی

کہ اس کو تو خود اپنی ہی خبر ہرگز نہ تھی کوئی
پہ ہو گی باز پرس اس سے بھلائی کی' برائی کی

وہ ہے بے اختیار' اس پر بھی ہے مامور بیچارا
عجب عالم میں ہے مختار اور مجبور بیچارا

نہ اس کو ظلم کہیے' عین علم و عدل ہے یہ تو
نہ سمجھو جور اس کو' محض لطف و فضل ہے یہ تو

مکلف اس لیے تجھ کو کیا تکلیف شرعی کا
کہ اپنی ذات کا مظہر تجھی کو اس نے ٹھہرایا

تکالیف خداوندی سے تجھ میں عجز آ جائے
تو اٹھ جائے گا پھر یکبارگی تو درمیاں میں سے

رہائی پا کے اپنی ذات سے کل میں سمائے گا
غنی اس میں سما جانے سے ہی ہو گا تہی دستا!

قضا کی مان کر تو باگ اس رستے پہ چلتا جا
جدھر بھی ڈھالیں تقدیرات ربی تجھ کو ڈھلتا جا

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ دیکھیے خطبات اقبال (چوتھے خطبے کا آخری حصہ)
۲۔ سورۂ تین کی چوتھی پانچویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔
۳۔ حقیقت درمیان جبر و قدر است (اقبال)
۴۔ یہاں اس سے مراد مختار نہ ہونا ہے اور مکلف ہونا۔

سوال (۱۰)

سمندر کونسا ہے وہ کہ جس کا نطق ساحل ہو
وہ گوہر کون سا ہے اس کی تہہ سے جو کہ حاصل ہو

جواب

یہ ہستی اک سمندر اور اس کا نطق ساحل ہے
صدف ہے حرف اور موتی صدف کا دانش دل ہے

اٹھے اک لہر ساتھ اس کے ہزاروں قیمتی موتی
کناروں پر اچھل آئیں نقولی' نصی' اخباری

ہزاروں ہر گھڑی موجیں انھیں ہر چند دریا سے
کمی تجھ کو نہ لیکن ایک قطرے کی نظر آئے

اسی گہرے سمندر کا وجود علم مرہوں ہے
اور اس کے موتیوں کی سیپیاں ہیں حرف و صوت اس کے

معانی کی پری شیشے میں جب ان کے اترتی ہے
وضاحت کے لئے تمثیل کی حاجت ابھرتی ہے

تمثیل

جب آ جاتا ہے نیسانی مہینہ' یوں سنا میں نے
صدف اوپر ابھر آتے ہیں سب عمان ساگر کے

تہ دریا سے اوپر کو سفر آغاز کرتے ہیں
دہن آخر سر آب آ کے اپنے باز کرتے ہیں

اسی دریا سے اٹھتے ہیں بخارات اور اٹھ اٹھ کر
بامر حق تعالی وہ برس پڑتے ہیں پھر یکسر

اسی بارش کی بوند اک اس صدف کے منہ میں جاتی ہے
اور اس کے بعد وہ اپنے لبوں کو بند پاتی ہے

وہ اس قطرے کو لے کر پھر اترتی ہے تہ دریا
بدل جاتا ہے موتی میں وہی اک قطرہ پانی کا

اور اب غواص گہرائی میں پانی کی اترتے ہیں
چمکتے موتیوں کی مٹھیاں بھر کر ابھرتے ہیں

ترا تن بھی ہے ساحل اور ہستی ایک دریا ہے
ہے بادل فیض اور بارش سمجھ لے علم اسما ہے

خرد غواص کی صورت ہے اس بے پاٹ ساگر کی
ہزاروں موتیوں کو مال اپنا ہے بنا لیتی

دل اک برتن کی صورت علم کی نسبت سے تم جانو
صدف اس علم دل کے واسطے صوتوں صداؤں کو

ہماری سانس بجلی کی طرح تیزی سے چلتی ہے
پہنچ جاتی ہے کانوں تک تو پھر حرفوں میں ڈھلتی ہے

صدف کو توڑ کر لے تو در شہوار اس میں سے
اٹھا کر پھینک دے یہ خول تو اور مغز کو لے لے

لغات و اشتقاق و نحو ہو یا صرف، جو بھی ہو
لباس حرف سے بڑھ کر نہ وقعت دے ذرا ان کو

وہ جس نے عمر اپنی ان جھمیلوں میں گنوائی ہے
سمجھ لے مفت میں انمول سی دولت لٹائی ہے

اسے اخروٹ میں سے کھوپڑی ہی ایک ہاتھ آئی
کہ مغز اس کے ہی کام آیا ہے جس نے کھوپری توڑی

بجا یہ ہے کہ پک سکتا نہیں ہے مغز بن اس کے
کہ علم دیں بھی غیر از علم ظاہر ہاتھ کب آئے

مری اس بات کو جان برادر غور سے سن لے
حصول علم دیں میں مستعد ہو جان اور دل سے

کہ عالم ہی نے دو عالم کے اندر سروری پائی
اگر ادنیٰ بھی تھا اعلیٰ ہوا اس کی بدولت ہی

عمل وہ جن کا سرچشمہ مگر احوال ہوتے ہیں
بھلا کب ان کے ہم پلہ علوم قال ہوتے ہیں

اسی صورت سے وہ اعمال ہو مرجع بدن جن کا
فروتر ہوں گے ایسے علم سے مصدر ہے من جن کا

یہ اندازہ لگا لے جان و تن میں فرق کیسا ہے
سمجھتا ہے کہ اک ہے غرب، دو جا شرق جیسا ہے

اسی سے پھر سمجھ اعمال (جسمانی) کی کیفیت
علوم قال کی کیا ہے علوم حال سے نسبت

نہ علم اس کو کہو جس میں کہ ہو میلان دنیاوی
وہ اک تصویر تو ہوگی و لیکن ہوگی بے معنی

بھلا کیا علم کا اور آز کا باہم تعلق ہو
ملک ہونا اگر چاہے تو پھر دھتکار دنیا کو

علوم دیں کو لازم ہے چلن ہونا فرشتوں کا
کبھی بھی مال بن سکتا نہیں یہ سگ سرشتوں کا

یہی اظہار کرتی ہے حدیث مصطفائی بھی
ذرا سن غور سے اس کو ہوئی ہے اس طرح مروی

کوئی تصویر اگر لٹکائی ہوگی اپنے گھر تو نے
فرشتہ جان لے اس میں نہ پاؤں بھول کر رکھے

مناسب ہے یہی (تصویر) تو دل سے بھی دھو ڈالے
فرشتہ تاکہ اس گھر میں ترے بھی آن کر ٹھہرے

تو اس سے سیکھ لے وہ علم جو موروث ہے تیرا[۳]
مگر جو آخرت کے واسطے حاصل بنے تیرا

قاعدہ

کتاب حق کو پڑھ تو انفس و آفاق میں یعنی
جو سب اخلاق کی ہے اصل اسے اپنی بنا پونجی

بتاتے ہیں کہ خلق نیک پیدا ہو عدالت سے
پھر اس کے بعد حکمت اور عفت اور شجاعت سے

سمجھ لو تم اسی کا ہے بچن اچھا، چلن اچھا
کہ ان چاروں گنوں کو جس نے سچے دل سے اپنایا

کہ اس کے جان و دل کو علم ہی آگہ بناتا ہے
نہ سکھلاتا ہے عیاری نہ یہ ابلہ بناتا ہے

یہ عفت ہے کہ جس سے شہوت دل دب کے رہتی ہے
نہ بجھ کر راکھ ہو جاتی ہے اور نہ یہ بھڑکتی ہے

جری وہ ہے تکبر کی گراوٹ سے جو ہو خالی
رہے گا ظلم سے دور، ان میں آ جائے گی خوش خلقی

چلن جو بین بین ہی اس جگہ ہیں وہ ہی اچھے ہیں
وہ ہم کو، درمیاں دو انتہاؤں کے ہی ملتے ہیں

کہ راہ مستقیمی ہے میانہ جو روش ہو گی
اور اس کے دونوں جانب تو سمجھ ہو گا جہنم ہی

نہ چلنا اس پہ آساں ہے نہ آساں ہے کھڑا رہنا
کہ ہے وہ بال سے باریک اور تلوار سے تیکھا

بایں[۴] معنی کہ ضد اک ہے عدالت کے مقابل میں
یہاں اضداد کی تعداد کو ہم سات ہی سمجھیں

ادھر اک اک عدد میں بھید بھی اک اک چھپایا ہے
مطابق ہر عدد کے ایک دوزخ بھی بنایا ہے

جہنم جس طرح سے ظلم کرنے کی سزا ٹھہری
اسی صورت یہاں پہ عدل کی جنت جزا ٹھہری

صلہ ان کا جو اہل عدل ہیں، نور اور رحمت ہے
مقدر میں مگر ظالم کے لعنت اور ظلمت ہے

نکوئی جس کو کہتے ہیں "مزاجاً" اعتدالی ہے
عدالت جسم کے اندر یہی حد کمالی ہے

بہم گھل مل سے جاتے ہیں مرکب ہو کے جب اجزا
کرن پہچان کیا کس کی ہے اب جاتا نہیں جانا

بسیط الذات عنصر کی طرح سے ایک ہو جائیں
بہم یہ این و آں سارے کے سارے ایک ہو جائیں

مگر پیوند یہ ترکیب اجزا سے نرالا ہے
کہ روح کا جسم سے کوئی نہ رشتہ ہے نہ ناتا ہے

جب آب و گل سے دور آلودگی یکبار ہو جائے
خدا ارزاں اسے روح اضافی اور فرمائے

میسر تسویت جس وقت ہو اجزا و ارکاں کو
فروغ عالم جاں تب کہیں اس کا مقدر ہو

شعاع جاں کرے تعدیل کے لمحے میں تن کی بھی
بفیض مہر ہو جاتی ہے کیفیت جو دھرتی کی

تمثیل

ٹھکانہ مہر کا یوں تو ہے چوتھے آسماں پر ہی
مگر ہے اس کی کرنوں کی زمیں پر کارفرمائی

عناصر کو "مزاجاً" تو جدا خورشید سے پائے
ستارا گرم و سرد و خشک و تر بالکل نہ کہلائے

عناصر سب کے سب اس سے ہی گرم و سرد بنتے ہیں
سفید و سرخ بنتے ہیں، سیاہ و زرد بنتے ہیں

مگر ہے شاہ عادل کی طرح سکہ [illegible] اس کا
نہ داخل میں سمجھ پائیں نہ خارج میں مکاں اس کا

توافق ہو گیا تعدیل سے ارکاں میں جب پیدا
تو اس کے حسن کا یہ نفس ناطق ہو گیا شیدا

نکاح معنوی دیں کے مطابق [illegible] بدی ٹھہرا
[illegible] کابین میں اس نفس کلی نے جہاں سارا

انھی (کی زوجیت) ہی سے جنم پایا فصاحت نے
علوم و نطق نے، اخلاق نے، بلکہ صباحت نے

ملاحت اس طرح آئی جہان بے مثالی سے
کہ جیسے رند آ جائیں اچانک لا ابالی سے

اور آ کر شہر نیکوئی میں اپنا گاڑ کر پرچم
کریں ترتیب، جو موجود تھی، یکسر اسے برہم

کبھی ہے کام رخشِ حسن پر اس کا سوار ہونا
کبھی وہ نطق کو سکھلائے تیغ آبدار ہونا

اگر ہو شخص میں اس کو ملاحت نام دیتے ہیں
اگر ہو نطق میں؛ اس کو فصاحت نام دیتے ہیں

ولی ہے، شاہ ہے، درویش یا کوئی پیمبر ہے
اسی کا ہی رواں سکہ زمانے میں سبھوں پر ہے

جمال طلعت نیکو کے اندر (کہہ بھلا) کیا ہے
وہ تنہا حسن صورت ہی نہیں تو ماسوا کیا ہے

بجز حق کے کوئی مصدر نہیں ہے دلربائی کا
کہ ساجھے کا نہیں ہے؛ کام یہ سارا خدائی کا

کہاں شہوت دل انساں پہ شب خوں مارنے آئے
کہ حق باطل کے پردے میں کبھی صورت دکھا جائے

سمجھ لے ہے موثر ذات واحد ہر کہیں ہرجا
تو اپنی حد کے اندر ہی رہے تو ہے یہی اچھا

لباس حق کے اندر حق اگر ہے عین ایماں ہے
برائی کو سمجھ لینا بھلائی کار شیطاں ہے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ علم کی تین صورتیں ہیں۔ (i) جس میں شک کا امکان نہ ہو۔ الہامی۔ (ii) نقلی وہ علم ہے جس کی روایت زبانی یا تحریری ماضی سے چلتی آ رہی ہو۔ اس میں شک کا امکان ہوتا ہے لیکن کم۔ (iii) اخباری وہ علم جس کی روایت میں تسلسل نہ ہو۔ سنی سنائی خبر۔

۲۔ سیپ کا کام موتی کو چھپائے رکھنا ہے۔ یہی صورت صوت و صدا یعنی حروف و الفاظ کی ہے۔ سبب تالیف میں بھی شبستری نے یہ بات کی ہے۔

۳۔ وہ علم جو میراث آدم ہے۔ بحوالہ علم آدم الاسماء

۴۔ ہر اچھے چلن کے مقابل بظاہر ایک برا چلن ہے لیکن عفت، حکمت اور شجاعت کے مقابل میں افراط اور تفریط کے حوالے سے دو دو برائیاں ہیں۔ جبکہ عدالت کے مقابل صرف ایک یعنی ظلم ہے اور یوں کل سات ہیں۔

✪ ✪ ✪

سوال (۱۱)

وہ جز ہے کون سا جو کل سے بھی اپنے بڑا ہو گا
اور اس کو ڈھونڈ لینے کا طریقہ کون سا ہو گا

جواب

وجود اک[1] جزو ہے ایسا کہ افزوں کل سے ہے اپنے
کہ کل موجود ہے، موجود میں سب کائنات آئے

مگر کثرت سے جو موجود کی ساری برونی ہے
اور اس میں جس قدر وحدت ہے ساری اندرونی ہے

وجود کل ہوا ظاہر یہاں کثرت کی صورت میں
اور اس کا کام کثرت کو چھپانا پھر سے وحدت میں

بظاہر یوں دکھائی دے کہ کل ہے ہم کثرت کا
مگر مقدار میں ہوتا ہے اپنے کل سے یہ چھوٹا

کہ آخر جزو ہستی ہے جسے واجب کہا جائے
یہ ہستی ہے جو اس کو زیر دست اپنا بنا جائے

وجود اصلاً نہیں کل کا (جو تو سمجھے) یہاں کوئی
یہ اس کی ہے حقیقت میں نمود عارضی ساری

کثیری بھی، احد بھی، یہ وجود کل ہی کہلائے
کثیر آئے نظر ہم کو یہ کثرت کے حوالے سے

عرض ہونے کا ایسا روپ ہے جو اجتماعی ہے[2]
عرض سوئے عدم مجبور فطرت ہو کے راہی ہے

ہر اک جز جو کہ کل میں سے ہوا معدوم ساتھ اس کے
سمجھ لو اتنا حصہ کل ہوا معدوم[2] امکاں سے

جہاں کل ہے مگر ہر بار جتنے میں پلک جھپکو
عدم بن جائے دو پل بھی بقا اس کی نہ ممکن ہو

اسی لمحے مگر اک اور ہوتا ہے جہاں پیدا
نئی پیدا زمیں ہو اور نیا ہی آسماں پیدا

جہاں پیر ہوتا ہے جواں ہر لحظہ اس صورت
بہر ساعت یہاں رہتی ہے حشر و نشر کی حالت

یہاں جو چیز بھی ہے وہ گھڑی کو ہی بقا پائے
اسی لمحے بقا پائے، اسی لمحے فنا پائے

سمجھ لے تو جدا اس سے ہے لیکن طامۃ الکبریٰ[3]
کہ یہ یوم العمل ہے اور وہ یوم الحساب ہو گا

اور ان دونوں کے اندر فرق لازم ہے کہ کر پائے
خدا ناکردہ نادانی میں تو قابو نہ آ جائے

ذرا کھول آنکھ تا تفصیل اور اجمال واضح ہو
مہ و سال اور دن پل کی سمجھ جائے حقیقت کو

تمثیل

اگر ہے آرزو تیری کہ تو یہ راز پا جائے
سمجھ اس کو حیات و مرگ تجھ پر (ہر گھڑی) آئے

کہاں دنیا کے اندر ہے بلند و پست میں جو بھی
ترے جان و بدن ہی سے ملے ہم کو مثال اس کی

اگر فرد معین دہر کو اپنی طرح جانے
تو وہ تیرا بدن ہے اور اس میں مثل تو جاں کے

سمجھ درپیش موتیں تین ہیں ہر ایک انساں کو
ہے اک ہر ساعتی لیکن مطابق ہر کسی کے ہو

مگر جو دوسری ہے وہ سراسر اختیاری[4] ہے
ادھر جو تیسری ہے جان لے وہ اضطراری ہے[5]

حیات و مرگ دونوں ہی بہم چوں کہ مقابل ہیں
ہر اک کی تین نوعیں تین ہی ان کی منازل ہیں

جہاں کا اختیاری مرگ سے ناتا نہیں کوئی
تعلق اس کا ہے دنیا کے اندر ایک تجھ سے ہی

اگرچہ اور ہے تو اور ہوتا ہے بہرساعت
بآلاخر وہ ہی ہو جاتی ہے جو تھی اولاً صورت

جو صورت ہو گی روز حشر وہ ساری ہی کیفیت
عیاں ہوتی ہے جب انساں پہ آئے نزع کی حالت

بدن تیرا زمیں ہے اور سر ہے آسماں اس پہ
ہے جاں خورشید اور اپنی حسوں کو جان تو اختر

پہاڑوں کی طرح ہی ہڈیوں کو مان لے اپنی
نبات آسا ترے بال اور شجر اطراف ہیں تیری

بدن تیرا لرز جائے گا ویسی ہے ندامت سے
زمیں جیسے لرز اٹھے گی آخر دن قیامت کے

دماغ آشفتہ ہو جائے گا اور بے نور جاں ہو گی
ستاروں کی طرح[9] ہو جائیں گی خیرہ حسیں تیری

مساموں سے ترے پھوٹے گا دریا اک پسینے کا
تو اس دریا کے اندر بے بسی میں ڈوبتا ہو گا

گھڑی وہ جاں کنی کی کس قدر تجھ پر گراں ہو گی
کہ روئی کی طرح ہو جائیں گی یہ ہڈیاں تیری

۔ اک کی پنڈلیاں[7] ہر چند مل جائیں گی آپس میں
۔ ىنگ ہو گا کسی کا اس گھڑی کوئی بھی آپس میں

جدا جس دم بدن سے روح ہو جائے گی انساں کی
تری دھرتی پہ ٹیلا اور نہ وادی ہو گی اب باقی

اسی اسلوب سے چلتا ہے کاروبار دنیا کا
کہ جس صورت تجھے انسان کے اندر نظر آیا

بقا حق کے لئے باقی یہاں جو کچھ ہے فانی ہے
بیاں تجھ پر یہ واضح ہو یہی سبع مثانی ہے

وہ کل من علیہا فان[8] جس نے آپ فرمایا
لفی خلق جدیداً بھی اسی نے ہم کو بتلایا

یہاں اعدام کی ایجاد کی جیسی بھی صورت ہے
وہ ساری قومی کی خلقت و بعثت کی صورت ہے

ہے بالقوۃ اگر موجود اس گھر میں کوئی شے بھی
وہ اس عالم کے اندر بھی حقیقت بن کے ابھرے گی

قاعدہ

کوئی بھی فعل جو تجھ سے ہوا اکبارگی ظاہر
تو بارم بار دہرانے سے ہو گا اس پہ تو قادر

تجھے ہر بار اس میں سے ضرر یا فائدہ پہنچے
منقش کچھ نہ کچھ ہو جائے گا وہ نفس پر تیرے

بدل دیتی ہے جو بھی حال کو خو میں وہ عادت ہے
بنا دیتی ہے خوشبودار جو پھل کو وہ مدت ہے

اسی عادت سے ہیں انسان کو سارے ہنر آئے
خیالوں کے وہ بنتا جا رہا ہے تار و پود اس سے

کبھی افعال اور اقوال تیرے نقش جاں بن کر
ہویدا ہوں گے سارے ایک اک کر کے سر محشر

بدن کے پیرہن سے پائے گا جس دم رہائی تو
ترے عیب و ہنر آ جائیں گے سارے نظر تجھ کو

یہاں تو ہر گھڑی تخلیق کی تجدید ہوتی ہے
بظاہر عمر پر مخلوق کی تحدید ہوتی ہے

ہمیشہ فیض بخش اور فضل گستر حق تعالیٰ ہے
وہ اپنی شان کے اندر سدا محو تجلی ہے

تجھے گر اک طرف ایجاد اور تکمیل ملتی ہے
تو ہر شے ہر گھڑی ہوتی ہوئی تبدیل ملتی ہے

نہ رہ پائے گا موجودہ چلن جس وقت دنیا کا
بقائے کل جسے کہتے ہیں تو عقبیٰ میں پائے گا

کہ ہر وہ چیز تو جس کو یہاں پر لابدی پائے
یہاں ہیں شکل اور معنی میں دونوں روپ ہی اس کے

وصال اولیں جس کو کہیں "اصلا" جدائی ہے
مگر ثانی ہی عنداللہ باقیِ میرے بھائی ہے

بقا اسم[10] وجودی ہے، نہیں کوئی گماں لیکن
ہے ساکن کی جگہ وہ بھی جہاں سایہ کا ہے مسکن

مظاہر اور ظاہر میں توافق جب ہوا پیدا
تو جانو ایک میں سے دوسرا ہم کو نظر آیا

بدن ہو گا کدورت ہٹ گئی ہو گی مگر اس سے
مثال آب اس میں سے تجھے صورت نظر آئے

چھپاوٹ ہر طرح کی فاش ہو جائے گی اس لمحے
کبھی کیا آیت "تبلی السرائر"[11] بھی پڑھی تو نے

اور اس کے بعد اس دنیا کے حسب حال پائیں گے
ترے اخلاق جسمیت کے شخصیت کے پھر چولے

عناصر کا (تجھے معلوم ہے) سارا کرشمہ تھا
موالید ثلاثہ ہو گئے تھے ہر طرف پیدا

ترے اخلاق بھی اس عالم جاں میں کچھ ایسے ہی
کوئی بن جائیں گے نوری، کوئی بن جائیں گے ناری

تعین کا حجاب اٹھے گا سارا روئے ہستی سے
تفاوت محو ہوں گے سب بلندی اور پستی کے

جہان زندگی میں کب بھلا مرگ بدن ہو گی
کہ یک رنگی وہاں پر تو نصیب جان و تن ہو گی

ترا سر بھی ترے پاؤں[12] بھی دل بن جائیں گے سب ہی
اور اس انگارہ خاکی سے ڈھل جائے گی تاریکی

نظر آنے لگے گا حق تعالیٰ ہر طرف تجھ کو
ملے گا نور حق ہی کا تجلی ہر طرف تجھ کو

نہ جانے عالم مستی میں تو پھر کیا سے کیا کر دے
دو عالم کا یہ ممکن ہے کہ برہم سلسلہ کر دے

"سقاهم ربهم"[13] سے سوچ آخر مدعا کیا تھا
طہورا کیا ہے بس اپنی خودی سے پاک ہو جانا

بھلے بھاگوں سے حاصل ہو یہ لذت ذوق، یہ دولت
یہ حیرت اس طرح کا شوق اور اس نہج کی حالت

سہاگن وہ گھڑی ہو گی کہ جب بے خویش ہم ہوں گے
غنی مطلق بنیں گے "ظاہراً" درویش ہم ہوں گے

نہ ہو گی عقل، نے ادراک دیں ہو گا نہ تقویٰ ہی
پڑے ہوں گے زمیں پر ہم بہ حال حیرت و مستی

یہاں حور و بہشت و خلد کا گاہک نہیں کوئی
کہ بیگانوں کو آنے دے ہے خلوت میں کہیں کوئی

ملے پینے کو ایسی مے، ترا دیدار ہو جائے
نہ جانے کیا سے کیا ہو جاؤں اس لمحے کی برکت سے

مگر یہ فکر بھی ہر وقت میرے دل کو کھائے ہے
پس از مستی خمار اپنا اثر آخر دکھائے ہے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ وجود مشخص اور معین ہو جانے کے بعد موجود کہلاتا ہے اور یوں موجود کا جز کہا جا سکتا ہے یا یوں کہئے کہ وجود ہر موجود کا حصہ ہے۔ اور ہر موجود گویا وجود اور تعین کا مرکب ہے۔ اسی طرح وجود موجود سے بڑا ہے کہ تمام موجودات کو اپنے میں سمیٹے ہوئے ہے۔

۲۔ یعنی اجتماع عناصر کا نتیجہ ہے اور اسی لئے قدیم یا جوہر نہیں۔

۳۔ بڑی قیامت

۴۔ مونو فیل ن نمونو والی

۵۔ ناگزیر' اٹل (جو ہر جاندار کا مقدر ہے)

۶۔ و د لنحوم نکدرت اور جب ستارے دھندلا جائیں گے۔ (التکویر۔۲)
حسیں = حواس

۷۔ ساق (پنڈلی) ساق سے مل جائے گی۔ (القیامتہ۔ ص۲۹)

۸۔ سورہ رحمن (۲۶)۔ زمیں پر جتنے بھی ہیں فنا ہو جائیں گے۔

۹۔ اللہ کی ذات ہروقت تخلیق نو میں لگی رہتی ہے۔ (قرآن)

۱۰۔ صوفیا بقا اور فنا دونوں کو اسم وجود شمار کرتے ہیں۔ البتہ فنا اس وقت جب وجود سائر ہو یعنی تجلی اقلن ہو اور ساکن کی طرح مظاہر میں ظاہر ہو۔ بقا اسم وجود ہے اس سے قطع نظر کہ وجود متجلی ہے یا نہیں۔ تعین اور تشخص کے اعتبار سے فنا کا اطلاق ویسے اشیا پر ہوتا ہے۔

۱۱۔ جس دن لوگوں کے ضمیروں یعنی اندرونوں کا امتحان لیا جائے گا۔ (الطارق۔۹)

۱۲۔ خطبات اقبال (چوتھے خطبے کا آخری حصہ)

۱۳۔ الدھر۔۲۲

سوال (۱۲)

قدیم و محدث آخر ہو گئے باہم جدا کیونکر
بنا پھر ایک عالم، دوسرا ٹھہرا خدا کیونکر

جواب

قدیمی سے نہیں ہرگز جدا محدث کبھی کوئی
کہ ہستی کے سہارے داما" ہے نیستی باقی

وہی سب کچھ ہے اور یہ نیستی تو محض عنقا ہے
بجز ذات خدا ہر چیز اسم بے مسما ہے

عدم موجود ہو جائے یہ اک امر محال ہے
وجود البتہ ہستی کی بنا پر لا یزالی ہے[1]

نہ یہ ہو جائے وہ ہی اور نہ وہ ہو جائے ہے یہ ہی
اسی نکتے سے کھل جاتی ہیں گرہیں سوچ کی ساری

جہاں کو تو سمجھ لے ایک امر اعتباری ہے
اس اک نقطے کی صورت جو کسی چکر میں ساری ہے

وہ کیسے؟ جس طرح تو ایک چنگاری کو چکرائے
اور اس کو دائرہ رفتار کی تیزی بنا جائے

اگر تو بار بار اک ہی عدد گنتا چلا جائے
وہ واحد ہی رہے بسیار تو ہرگز نہ ہو پائے

جھٹک دے یہ خیال ما سوی اللہ اپنے دامن سے
اور اپنی سوچ کے بل پر اسے اس سے جدا کر دے

تجھے شک اس پہ کیوں گذرے کہ یہ سب کچھ خیالی ہے
کہ وحدت کو دوئی سے جوڑنا کار ضلالی ہے

عدم میں بھی تو تھی ہستی کی ہی مانند یکتائی
یہ کثرت تو نظر آتی ہے نسبت کی بدولت ہی

ظہور اختلافات اور یہ کثرت مظاہر کی
ہے یہ امکان رنگا رنگ ہی کی شعبدہ بازی

بظاہر دو سہی لیکن وجوداً" چونکہ واحد ہیں
خدائے پاک کی وحدانیت پر دوؤں شاہد ہیں

۱۔ غیر معدوم۔ بے فنا۔ باقی

سوال (۱۴)

مراد ایسی عبارت سے کہو کیا مرد معنی کی
اشارہ جس میں ہو چشم و لب خوباں کی جانب ہی

رخ و گیسو میں خد و خال میں وہ کس کا جویا ہے
وہ (صوفی) جو مقام و حال کی منزل پہ پہنچا ہے

جواب

ہر اک شے جس کو تو نے دہر کے اندر عیاں پایا
سمجھ لے تو کہ وہ پرتو ہے اس دنیا کے سورج کا

جہاں کو زلف و خط و خال و ابرو کی طرح جانو
کہ ہر اک کو یہاں اپنی جگہ پر تم حسیں پاؤ

تجلی ہے جلالی بھی تجلی ہے جمالی بھی
رخ و گیسو مثالیں ہیں معانی کو سمجھنے کی

صفات حق تعالی لطف بھی اور قہر بھی ٹھہرے
حسینوں کے رخ و گیسو میں دونوں کے ملیں جلوے

یہ الفاظ سمائی چوں کہ خود ہوتے ہیں محسوس
حواس کے لئے موضوع ہوئے پہلے اسی سے ہی

نہیں ہے انتہا کوئی مگر دنیائے معنی کی
رسائی لفظ کی غایت تک ان کی ہو نہیں سکتی

وہ معنی جو کہ پیدا ذوق کی حالت میں ہوتے ہیں
بھلا تعبیر میں لفظوں کی وہ کس طرح آ جائیں

ولیکن اہل دل تفسیر معنی جب بھی کرتے ہیں
تو وہ الفاظ محسوسہ میں تعبیر ان کی کرتے ہیں

کہ محسوسات کو سمجھو وہ اس دنیا کا ہیں سایہ
یہ ہیں بچے کی صورت اور وہ اس کے لئے دایہ

مرا کہنا ہے جن الفاظ سے تاویل کی ہم نے
انہیں معنی ملے تھے وہ تو ان کی وضع اول سے

پہ عرف عام نے محسوس مخصوص ان کو کر ڈالا
ہے معنی کیا، نہیں ہے عام انساں کو پتہ اس کا

جہان عقل پر یعنی انہوں نے جب نظر ڈالی
تو لفظوں ہی سے بھر لی اس جگہ سے جھولی اپنی

تناسب کو ادھر ملحوظ رکھتا مرد دانا ہے
وہ جب بھی لفظ و معنی پر قلم اپنا اٹھاتا ہے

مگر تشبیہ میں تو جامعیت آ نہیں سکتی
یہ بہتر ہے کرے اس سمت کی تو ترک سر دردی

ادھر اس[2] مسئلے میں تجھ سے گو فائق نہیں کوئی
اگرچہ صاحب مذہب بغیر حق نہیں کوئی

سمجھ جب تک کہ با خود ہے یہاں بہتر یہی ہو گا
عبارات شریعت جو بھی ہوں ملحوظ انہیں رکھنا

کہ اہل دل بھی تو یہ ڈھیل ان حالات میں پائیں
فنا میں، سکر کی صورت میں یا جوش محبت میں

اگر تجھ کو نہیں معلوم یہ کیفیتیں کیا ہیں
تجھے کافر بنا ڈالیں گی نادانی کی تقلیدیں

فقط وہ ہی[3] کہ جو ان حالتوں سے باخبر ہو گا
سمجھ پائے گا استعمال اور مفہوم لفظوں کا

حقیقت وہ نہیں ہے ظاہراً جیسی نظر آئے
کہ ہر کوئی نہ اسرار حقیقت کو سمجھ پائے

گزاف اس کو نہیں پہنچی، ہے مسلک جس کا تحقیقی[4]
انہیں کشفی سمجھ پائے ہیں یا پھر مرد تصدیقی

بتایا تجھ کو استعمال اور مفہوم لفظوں کا
وضاحت سے سمجھ جائے گا تو کرکے انہیں یک جا

یہی بہتر ہے استعمال میں بھولے نہ غایت کو
لوازم (ہوں بیاں کے جس قدر) ان کی رعایت ہو

اور ان سے کام لے تشبیہ کا اک خاص صورت میں
روا ہرگز نہ سمجھیں گے اسے ہر ایک حالت میں

مقرر ہو گیا جب قاعدہ لفظ و معانی کا
مثالیں دے کے لازم ہے وضاحت اور بھی کرنا

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ سورج کی بدولت ہی ہر چیز نظر آتی ہے۔
۲۔ یعنی تصرف خداوندی کے بغیر ان نسبتوں سے حق کو منسوب کرنا مناسب نہیں ہے اور اس تصرف کے زیر اثر وہ مناسبات گویا الہامات حق ہوتے ہیں جو صاحب حال کے دل پر اترتے ہیں۔ یہاں شیرازی نے شرح گلشن راز (نسائم گلشن) میں ۲۱/۴۱ کو حوالہ بنایا ہے جس میں آیا ہے کہ "ہمیں اللہ نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی۔"
۳۔ یہ شعر لاہیجی میں نہیں ہے۔
۴۔ ایمان لے آنے والے۔

✪ ✪ ✪

اشارت بہ چشم و لب

ہے کیا تاثیر چشم و لب کی یہ معلوم ہے تجھ کو
ہر اک سے جو صفت منسوب ہے ملحوظ خاطر ہو

نگہ کا وصف بیماری بھی اور مستی بھی ہوتی ہے
ہویدا لعل لب سے اس کے پر ہستی بھی ہوتی ہے

دلوں میں آنکھ سے اک آگ سی محسوس ہو جائے
لب لعلین سے بیمار جاں لیکن شفا پائے

دلوں کو مست اور مخمور کر جاتی ہے آنکھ اس کی
مگر ہونٹوں کی لالی جان کو بے مست کر جاتی

نہیں خاطر میں لاتی آنکھ اس کی ایک عالم کو
مگر ہونٹوں سے اس کے لطف کی ہر وقت بارش ہو

مروت سے کبھی وہ دلنوازی پر اتر آئے
کبھی بیچارگاں کی چارہ سازی پر اتر آئے

اگر شوخی سے آب و خاک کو وہ زندگی بخشے
فلک کو آگ میں وہ عشوۂ پر فن سے تڑپائے

بنا غمزہ اسی کی ہی بدولت دام اور دانہ
اس سے ہو گیا ہر ایک گوشہ ایک مے خانہ

وہ اک غمزے سے جس ہستی کو غارت کر دکھاتا ہے
اسی کی بوسہ لب سے عمارت پھر اٹھاتا ہے

اسی کی اک نظر سے خون دل میں جوش دائم ہو
اس کے لعل لب سے جاں تری بے ہوش دائم ہو

ہمارا دل اسی کی آنکھ کے غمزے سے لٹ جائے
اسی کے لعل لب سے جاں ہماری جان میں آئے

تو چاہے جب کنارا چشم و لب سے اس کے کر جائے
کہے اک ناں اگر تو دوسرا ہاں کرکے پچتائے

یہ غمزہ ہے کہ جس سے کارسازی ہو زمانے کی
یہ بوسہ ہے کہ جس سے جاں نوازی ہو زمانے کی

ہم اس کے ایک ہی غمزے پہ جاں اپنی فدا کر دیں
اور اس کے ایک ہی بوسے پہ پھر اک بار جی اٹھیں

پلک جھپکی میں عالم پر سماں چھائے قیامت کا
کیا آدم کو اک لمحے میں نفخ روح سے پیدا

جب اس کی آنکھ کے اور لب کے بارے میں خیال آیا
تو مے نوشی کے مسلک کو زمانے بھر نے اپنایا

حقیقت ہی نہیں ہستی کی کچھ بھی اس کی آنکھوں میں
تو پھر اس خواب ہستی کو وہ کس میزان میں تولیں

وجود اپنا فقط مستی ہے یا پھر خواب ہے کوئی
کوئی نسبت خدائے کل سے مٹی کو کہاں ہو گی

خرد اس سے ہزاروں حلقہ ہائے دام کی قیدی
کہا تھا کس بنا پر اس نے و لتصنع علی عینی

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ اس مصرع میں "دم دادن" کا مفہوم دائی شیرازی نے وعدہ وصل کیا ہے۔
دم سیحی نے "نفخ روح" اور لغت میں "فریب دینا" ہے۔ بظاہر یہاں اشارہ امانت کی پیش کش پہلے فلک کو کرنے کی طرف ہے۔

۲۔ تم میری خاص نگرانی میں پرورش پاؤ۔ یہ بات موسیٰ علیہ السلام سے کہی گئی کہ کس طرح ہم نے تمہیں بچانے کے لئے تمہارے اور ہمارے دشمن (فرعون) ہی کو پرورش کا وسیلہ بنایا۔ (سورہ طٰہٰ۔۳۹)

✪ ✪ ✪

اشارت زلف

کہوں کیا زلف جاناں کی، بڑا لمبا یہ قصہ ہے
نہ کچھ بھی تو کہا جائے کہ یہ تو راز کی جا ہے

عبث ہی گیسوئے پر پیچ کی تو داستاں چھیڑے
کہ دیوانوں کی جو زنجیر چھیڑے رائگاں چھیڑے

کل اس کی سرو بالائی کی میں نے بات چھیڑی تھی
سر زلف اس کا بول اٹھا، مناسب ہو گی لب بندی

کجی اس واسطے ہی راستی پر غالب آئی ہے
مسافت اور بھی طالب کی کچھ اس نے بڑھائی ہے

سبھی ہیں دل اسیری میں اسی زلف مسلسل کے
سبھی جانیں لگیں کہ جیسے کوئی ا بھر ڈالے

ہزاروں دل ہیں جو ہر سو لٹکتے سے نظر آئیں
نہیں ممکن رہائی اس کے حلقے سے کبھی پائیں

اگر اکبار وہ زلف سیہ کو دے ذرا جھٹکا
مرا ذمہ جو رہ جائے جہاں میں نام کافر کا

وگر اس کو رکھے ویسے ہی وہ بے حرکت و ساکن
جہاں میں ایک بھی رہ جائے مومن' یہ نہیں ممکن

وہ حلقہ زلف کا اک دام فتنہ بنتا جاتا تھا
اسی باعث سر گیسو کو قدرے کاٹ ڈالا تھا

بریدہ ہو گئی بھی زلف اگر قدرے تو کیوں غم ہو
کہ دن اتنا ہی بڑھ جائے شب (اے دل) جس قدر کم ہو

جب اس نے کاروان عقل کی خود کی تھی بٹ ماری
تو اس کے پاؤں میں بیڑی بھی اپنے ہاتھ سے ڈالی

نہیں ممکن کہ اس کی زلف حرکت میں نہ اک پل ہو
کبھی دن رات کو کر دے' کبھی کر دے وہ شب دن کو

ہزاروں روز و شب پیدا کئے ہیں گیسو و رخ سے
عجب حیران کن سے کھیل کھیلے ہیں یہاں اس نے

خمیر اٹھا اسی دم سے گل آدم کا یہ جانو
کہ جس میں اس معطر زلف کی شامل ہوئی خوشبو

ہمارے دل میں بھی اس زلف کی خوبو نظر آئے
کہ یہ بھی (اس کی صورت ہی) کبھی ساکن نہ رہ پائے

اسی سے میں نے سیکھا ہے نئی دھن میں سدا رہنا
اور اپنے آپ سے ہر وقت دل برداشتہ رہنا

دل اس کی زلف سے اس واسطے تشویش دیدہ ہے
کہ وہ بے تاب رکھتی ہے چھپا کر چہرے کو اس سے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر (اقبال)

۲۔ نفخ روح کی طرف بھی اشارہ ہے اور ملائک کے روبرو اسماء بیان کر دینے کی صلاحیت کی طرف بھی ممکن ہے۔

۳۔ دوسرا مصرع ون فیلڈ والے نسخہ میں بھی اور شیرازی والی شرح میں بھی یوں ہے۔ کہ "از رویش دل دارد بر آتش۔" میں نے دل کی جگہ بھی کو مناسب جانا ہے۔

✪ ✪ ✪

اشارت برخ و خط

سمجھ لیں آپ چہرہ مظہر حسن خدائی ہے
خط رخسار کیا ہے' بارگاہ کبریائی ہے

سمجھ لو آخری حد رسائی خط ہے یہ رخ پر
یہ اعلان ہے کہ خوشروئی فقط اس حد کے ہے اندر

جہان جاں میں خط ہے کوئی سبزہ زار جیسے ہو
دیا ہے آب حیواں کا اسی باعث تو نام اس کو

بدل دے رات سے تو دن کو گیسو کی سیاہی سے
طلب کر چشمہ حیواں کی پھر تو خط سے اس (رخ) کے

مثال خضر تو بھی اس مقام بے نشانی سے
وہ آب زندگی جو خط کی صورت ہے' اسے پی لے

اگر تو اس کے خط کو اور اس کے رخ کو دیکھے گا
تو وحدت اور کثرت کے تعلق کو سمجھ لے گا

کچھ اس کی زلف سے کار جہاں کو جان جائے گا
اور اس کے خط سے مبہم راز ہو گا تجھ پہ پھر افشا

کسی روئے نکو سے اس کا خط جس کو نظر آئے
نظر آ جائے رخ اس کا مجھے خود اس کے خط میں سے

سمجھ رخسار کو تو اس کے یہ سبع المثانی ہے[۱]
کہ اک اک حرف جس کا اصل میں بحر معانی ہے

نظر آئیں گے اک اک بال میں پنہان و پوشیدہ
جہان راز میں سے علم کے صد ہا تجھے دریا

ہے واضح عارض زیبائے جاناں نہ کے سبزے سے[۲]
کہ بنیاد آب پر اس دل کی ہے جو عرش رحماں ہے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ جس طرح سورہ فاتحہ روح قرآن ہے اسی طرح رخسار پورے چہرے کی جان ہے۔ یاد رہے کہ چہرہ کو صحیفہ بھی کہا جاتا ہے اور قرآن بھی۔ عرفانی فلسفیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ "ظہور نور وجوب" کے لئے سات اعتبارات ہیں یعنی سات صفات ---- حیات' علم' قدرت' ارادہ' سمع' بصر اور کلام اور انسان میں یہ ساتوں پائی جاتی ہیں۔

۲۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (ھود۔۷)

✪ ✪ ✪

اشارت بہ خال

اسی رخ پر نظر آئے گا تجھ کو خال کا نقطہ
یہی نقطہ ہے مرکز اصل میں گردون گرداں کا

اسی سے دونوں عالم کو محیط اک دائرہ ابھرا
اسی کے قلب میں آدم کے نقش خط ہوا گہرا

دل پر خوں کی قسمت میں تباہی ہے اسی ہی سے
وہ اس پر عکس افگن نقطۂ خال سیہ پائے

زدست خال دل کا حال خوں ہوتا ہی ٹھہرے گا
کہ اس گھر سے نہیں رستہ کوئی باہر نکلنے کا

نہیں وحدت میں گنجائش کسی صورت بھی کثرت کی
کہ دو نقطوں کو وحدت تو گوارا کر نہیں سکتی

خبر مجھ کو نہیں تل اس کا عکس اپنے ہی دل کا ہے
کہ دل ہی عکس اک اس کے رخ زیبا کے تل کا ہے

یہ اس کے خال کا ہے عکس جس سے دل ہوا پیدا
کہ دل کا عکس اک تھا وہ جو ہویدا ہو گیا اس جا

دل اس چہرے کے اندر ہے کہ چہرہ اندروں دل کے
یہ ایسا بھید ہے رکھا گیا پوشیدہ جو مجھ سے

اگر یہ دل ہمارا عکس اس کے خال کا ٹھہرا
تو کیوں انداز اس کا مختلف ہوتا ہے ہر لحظہ

کبھی مخمور آنکھوں کی طرح حالت خراب اس کی
کبھی زلفوں کی صورت ہے سراپا اضطراب اس کی

کبھی اس چاند سے چہرے کی صورت وہ درخشاں ہے
کبھی وہ صورت خال سیہ ظلمت بداماں ہے

کبھی مسجد میں ملتا ہے کبھی مندر کے وہ اندر
گماں جنت کا ہے اس پر کبھی دوزخ کا ہے اس پر

کبھی رہ جائیں اس سے دور نیچے آسماں سارے
کبھی دب جائے بیچارہ وہ مشت [۱۰] کے نیچے

ورع میں، زہد میں اک عرصہ روز و شب بسر کر کے
شراب و شمع کا، شاہد کا وہ طالب بنے پھر سے

سوال (۱۴)

شراب و شمع کے، شاہد کے معنی اصل میں کیا ہیں
ہے کیا مقصود ان کا جو کہ ان باتوں کے رسیا ہیں

جواب

شراب و شمع کو شاہد کو سمجھو عین معنی ہیں
کہ ہر صورت کے اندر ہے وہی (شان) تجلی میں

شراب و شمع کیا ہے نور ہے اور ذوق عرفاں ہے
عجب شاہد ہے ہر اک کے لئے جو جلوہ ساماں ہے

یہاں مصباح اگر ہو شمع تو فانوس بادہ ہو
فروغ نور ارواح اور ہم شاہد کہیں جس کو

گرائی قلب موسیٰ پر اسی شاہد نے چنگاری
شجر ہے شمع اور آتش کو تم سمجھو شراب اس کی

شراب و شمع کو تو جان لے وہ نور اسریٰ ہے[1]
مگر شاہد ہے وہ جو مصدر آیات کبریٰ ہے[2]

شراب و شمع شاہد کے یہاں موجود ہونے پر
تجھے لازم ہے شاہد سے رہے غافل نہ تو یکسر

شراب بے خودی سے بھی کبھی ہونٹوں کو تر کر لے
کہ اپنے آپ سے پائے رہائی اس طریقے سے

رہائی مے پرستی ہی تجھے اپنے سے دلوائے
وجود قطرہ (اس صورت ہی) مل سکتا ہے دریا سے

مگر وہ مے کہ جس کا جام روئے یار ہوتا ہے
پیالہ جس کا چشم مست بادہ خوار ہوتا ہے

طلب[3] کر حاجت ساغر نہ ہو جس میں شراب ایسی
مئے رز کی نہ جس میں ہو ضرورت اور نہ ساقی کی

شراب[4] ایسی کہ جام وجہ باقی سے پئیں جس کو
سقاھم ہی کے ہم مصداق ساقی سے پئیں جس کو

طہورا مے وہی ہے جو کہ یکسر پاک کر ڈالے
بوقت مے پرستی تجھ کو ہر آلود ہستی سے

نجات اپنے کو دلوا لے دلیرانہ تو مے پی کر
(دکھاوے کی) نکو کاری سے بدمستی کہیں بہتر

مقدر دور ہونا بارگاہ حق سے ہو جس کا
حجاب[5] ظلمت اس کے واسطے ہے نور سے اچھا

کہ آدم کی یہی ظلمت تھی جس نے دستگیری کی
ادھر ابلیس نے لعنت دوامی نور سے پائی

اگر آئینہ دل کا تو نے صیقل کر لیا اپنا
تو پھر بے سود اس میں تو نے اپنے آپ کو دیکھا

جب اس کے رخ کا پرتو پڑ گیا ہے پر تو پھر اس سے
ہزاروں سطح سے پر تو ابھرتے بلبلے دیکھے

جہان و جاں[6] کی حیثیت یہاں ہے بلبلوں کی سی
مگر اس کی محبت شرط ٹھہری اولیائی کی

غلامی بسکہ نفس کل نے کی ہے اس لئے اس کی
ملی مدہوشی و حیرت اسی سے عقل کل کو بھی

جہاں کیا ہے (اگر سمجھیں تو) اک خمخانہ ہے اس کا
یہاں دل ایک اک ذرے کا اک پیمانہ ہے اس کا

فرشتے بھی خرد بھی مست ہے اور مست جاں بھی ہے
ہوا بھی اور زمیں بھی مست بلکہ آسماں بھی ہے

فلک سرگشتہ اس کے واسطے ہر دم تگاپو میں
جس کا دل بھی ہے اٹکا ہوا اس ایک ہی بو میں

ملائک کو ملی پاکیزہ کوزے میں نپی چھانی
گرا تلچھٹ ملا اک گھونٹ اس میں سے زمیں پر بھی

عناصر کو اسی اک گھونٹ نے سرخوش بنا ڈالا
کبھی ہے آگ تو پانی ٹھکانہ ہے کبھی ان کا

زمیں پر گرنے والے ایک ہی اس گھونٹ کی بو سے
ہوا انسان پیدا جس نے جھنڈے عرش پر گاڑے

اسی کے عکس سے پژمردہ تن میں زندگی آئی
روانی جان افسردہ نے اس کے فیض سے پائی

زمانے بھر کی سب مخلوق کر دی اس نے سرگشتہ
بنا ڈالا ہے اپنے خان و ماں سے ان کو برگشتہ

کسی کو اس کی بوئے درد نے عاقل بنا ڈالا
کسی کو اس کے رنگ صاف نے ناقل بنا ڈالا

کسی کو نیم جرعہ دے کے صادق کر دیا اس نے
کسی کو اک صراحی دے کے عاشق کر دیا اس نے

خم و خمخانہ و ساقی کو بادہ خوار کو اک نے
غٹا غٹ پی گیا ایسا اتارا حلق میں اپنے

پیا جو کچھ تھا جتنا تھا دہن تھا باز اس پر بھی
ارے او رند سر افراز۔ یہ دریا دلی تیری

غٹا غٹ کرکے ہستی تو نے ساری ہی چڑھا لی ہے
فراغت زحمت لا و نعم سے تو نے پا لی ہے

نہ زہد خشک اب باقی' نہ اب طامات ہی باقی
فقط پیر خراباتی سے ہے وابستگی باقی

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ ون فیلڈ والے نسخے میں " شراب و شمع جاں آں نور اسری است " ہے۔ اور داعی شیرازی کی شرح میں " شراب و شمع جام و نور اسری ست " ہے۔ میرے خیال میں جان کتابتی غلطی ہے اور واں ہونا چاہئے تھا۔

۲۔ سورت النجم آیت۔۸

۳۔ یعنی وسائل سے بے نیاز کر دے۔

۴۔ اور پلائی ان کے رب نے ان کو شراب طہور۔ (الدھر۔۲۱)

۵۔ حجاب ظلمت میں احساس خطا ہوتا ہے۔ جو وجہ مغفرت بن جاتا ہے۔ ادھر حجاب نور میں خود فریبی کا امکان رحمت سے دور لے جاتا ہے۔ دیکھئے سورہ کہف (آیات ۱۰۳ اور ۱۰۴)

۶۔ حباب بمعنی بلبلہ اور حباب بمعنی محبت اور دوستداری۔ اول میں پہلی صورت ہے اور مصرع ثانی میں دوسری۔ (ش)

۷۔ حدیث گو۔ راوی۔

✪ ✪ ✪

اشارت بخراباتیاں

خراباتی وہ ہو گا جو رہائی خود سے پا جائے
خودی تو باوجود پارسائی کفر کہلائے

ہے میخانہ کدھر کو اس سے بھی آگاہ کر ڈالا
کہ ہے توحید دامن سے اضافوں کو جھٹک دیتا

خرابات اک جہاں ہے اس جہان بے مثالی سے
تعلق اس کا ہو گا عاشقان لا ابالی سے

خرابات آشیانہ تو سمجھ لے مرغ جاں کا ہے
خرابات آستانہ جان لے تو لامکاں کا ہے

زمانے کے خرابے میں خراباتی خراب ہووے
کہ یہ عالم ہے جوں صحرا میں بے مقصد سراب ہووے

خراباتی کی حد کوئی، نہ ہے کوئی نہایت ہی
نہ جانے اس کی کوئی ابتدا ہی اور نہ غایت ہی

اگر اس میں کرے سو سال بھی تو بادیہ گردی
نہ اپنے ہی کو تو پائے نہ پائے تو کسو کو ہی

گروہ[2] اس میں ملیں گے تجھ کو بے پاؤں مُئے اور بے سر
نہ مومن ہوں گے وہ یکسر، نہ یکسر ہوں گے وہ کافر

شراب بے خودی کا چڑھ گیا نشہ دماغوں میں
نہ خیر اب ان کی نظروں میں نہ شر ہی ان کی نظروں میں

کہ ان کی بادہ خواری ہے ورائے کام و لب ساری
نہ ان کو واسطہ ہے نام سے اور ننگ سے کوئی

ہم ایسے لوگ جن کو شطح اور طامات کہتے ہیں
خیال خلوت و نور و کرامت ہیں حقیقت میں

ادھر ہے ایک دردی نوش بے خود سا کسی بو پر
گرا ہے نیستی کے ذوق میں وہ خاک کے اوپر

عصا و کوزہ ہو، مسواک اور تسبیح، جو بھی ہو
رکھیں گروی یہاں تو ایک تلچھٹ کے لئے سب کو

سنبھلتے اور گرتے خاک پر اور آپ میں گاہے
بجائے آنسوؤں کے بہہ رہا ہے خون آنکھوں سے

کبھی ہیں سرخوشی سے یوں جہان ناز کے اندر
کہ شاطر جس طرح سے گردنیں اپنی رکھیں تن کر

کبھی دیوار کی جانب کریں، منہ روسیاہی سے
کبھی وہ سرخ رو ہو کر لٹک جاتے ہیں سولی سے

کبھی ان کو سماع میں شوق جاناں لے کے جاتا ہے
بسان چرخ بے سر پاؤں کے ان کو گھماتا ہے

ہر اس نغمے سے جو مطرب سے ان کے کان تک پہنچے
سرور سرمدی کی کیفیت سی جان تک پہنچے

سماع جاں نہیں ہے نام صوت و حرف کا تنہا
کہ ہر پردے کے اندر بھید ہے پنہاں انوکھا سا

یہ گدڑی[۳] دس پرت کی سر سے اور تن سے جدا کر کے
جہان رنگ و بو سے ہیں کنارہ کر کے وہ بیٹھے

شراب صاف سے جتنے بھی تھے سب رنگ دھو ڈالے
یہ تھے یا ہرے تھے یا کہ وہ نیلے کبودی تھے

پیالہ ایک ہی اس بادۂ صافی کا پینے سے
تمام اوصاف سے صوفی سمجھ بے دل بنے ہو جائے

کبھی آلودگی اور گندگی کو جان سے دھو کر
جو کچھ دیکھیں نگاہیں، بھول کر لائے نہ وہ لب پر

پھرے پکڑے ہوئے دامن وہ رندان شرابی کا
کہ شیخی اور مریدی سے سروکار ان کو کیا ہو گا

ہیں باتیں زہد اور تقویٰ کی زنجیر ان کی نظروں میں
یہ شیخی اور مریدی بھی ہے تزویر ان کی نظروں میں

اگر فرقِ مراتب کر رہی تیری نظر ہو گی
علاج ایسے مرض کا ہے بت و زنار و ترسائی

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ توحید میں اضافات کی گنجائش نہیں ہے، یہ تو علایق کو جھٹک دینے کا نام ہے۔

۲۔ کفر سے اہل معرفت خصوصیات اسماء جلالی بھی مراد لیتے ہیں اور ایمان سے خصوصیات اسماء رحمانی۔ اسی طرح کفر سے فنا بھی مراد لیا جاتا ہے کہ اس کے لغوی معنی ڈھانپنا بھی ہیں۔ اسی رعایت سے ایمان بقا کو کہا جاتا ہے۔

۳۔ مراد داخلی حواس خمسہ اور خارجی حواس خمسہ۔

✪ ✪ ✪

سوال (۱۵)

بت و زنار کیا ہیں اس گلی میں کیا ہے ترسائی
نہیں ہیں یا کہ ہیں یہ کفر سلجھا دے یہ الجھن بھی

جواب

یہاں بت عشق کا مظہر بھی ٹھہرے نیز وحدت کا
گلے میں ڈالنا زنار ہو گا عقد خدمت کا

ہے چونکہ کفر بھی اور دین بھی موجود ہستی سے
جدا توحید ہو سکتی نہیں ہے بت پرستی سے

مظاہر ہیں وہ ہستی کی یہاں جتنی بھی ہیں اشیا
جسے ہم بت سمجھتے ہیں انھی میں ہے شمار ان کا

ذرا اچھی طرح سے سوچ لے اے بندۂ عاقل
کہ بت کو جان ہستی کے حوالے سے نہ تو باطل

ہے خالق ایزد باری ہی آخر ایک بت کا بھی
نکو سے کچھ بھی صادر ہو نہیں سکتا بجز نیکی

وجود اس جگہ جو بھی ہو سراسر خیر ٹھہرے گا
اگر شر ہے کسی شے میں تو وہ ازغیر ٹھہرے گا

مسلمان جان لیتا ہے کہ بت سے کیا عبارت ہو
سمجھ جاتا یقیں ہے عین دیں وہ بت پرستی کو

اگر مشرک بھی بت سے اس طرح آگاہ ہو جاتا
تو اپنے دین کے اندر نہ وہ گمراہ ہو جاتا

مگر بت میں اسے تخلیق ظاہر ہی نظر آئے
اسی باعث شریعت بھی اسے کافر ہی ٹھہرائے

اگر تو بھی نہ اس میں حق پنہاں دیکھ پائے گا
مسلماں تو بھی از روئے شریعت ہو نہیں سکتا

نہ تسبیحوں نمازوں سے نہ قرآن ختم کرنے سے
سمجھ لے تو دل کافر ترا مومن نہ بن جائے

حقیقی کفر کیا ہے بھید یہ جس پر ہوا افشا
اسے بیزار اسلام مجازی سے [illegible] پائے گا

یہاں ہر بت کے اندر تو سمجھ اک جان پنہاں ہے
یہاں ہر کفر کے سینے میں اک ایمان پنہاں ہے

جسے تو کفر سمجھے وہ بھی تو تسبیح حق ہی ہے
"لگی تسبیح میں ہر چیز ہے" آیت یہ حق کی ہے

یہ میں نے کہہ دیا کیا' میں تو رستے سے بھٹک آیا
فذرھم[2] بعد ماجاءت بھی ہے اللہ نے فرمایا

کہ بت کے رخ کو آخر اس طرح کس نے سنوارا ہے
کوئی پوجے گا بت کیسے خدا خود ہی نہ گر چاہے

کیا اس نے کہا اس نے حقیقت میں وہی وہ تھا
کیا اچھا کہا اچھا (حقیقت میں وہ) تھا اچھا

کہے تو ایک دیکھے ایک اور پھر ایک سمجھے بھی
اسی پر ختم ہے ایماں فروعی ہو کہ ہو اصلی

یہ میں کہتا نہیں ہوں یہ تو خود قرآن کہتا ہے
تفاوت[3] خلق میں میری نہیں' رحمان کہتا ہے

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ دیکھئے اشارہ ص ۱۵۵
۲۔ ان کو اپنی ہی باتوں میں لگا رہنے دے اور انھیں زیادہ اہمیت نہ دے۔
(قرآن ۶/۹۱)
۳۔ اشارہ ہے اس آیت کی طرف ماتری فی خلق الرحمن من تفاوت

✪ ✪ ✪

اشارت بزنار

نگہ ڈالی تو یوں ہر چیز کی غایت نظر آئی
گرہ زنار میں جو ہے' علامت ہے وہ خدمت کی

بجز اس چیز کے جو وضع اصلی پر ہے دنیا میں
کسی کو بھی نہ ہرگز معتبر اہل خرد پائیں

کمر تو باندھ لے مردوں کی صورت آج مردی میں
کہ آئے نام تیرا زمرہ اوفو بعہدی میں

سوار مرکب علم ہو کے چوگان عبادت سے
سعادت کی اڑا لے گیند تو میدان میں بڑھ کے

تجھے اس کام ہی کے واسطے بھیجا تھا دنیا میں
اگرچہ اور بھی کتنوں کو خلقایا تھا دنیا میں

پدر ہے علم اور مادر یہاں اعمال سب تیرے
مثل اولاد کے ہیں اس جگہ احوال سب تیرے

کوئی انسان بھی بن باپ پیدا ہو نہیں سکتا
جہاں میں دوسرا کوئی بھی عیسیٰ ہو نہیں سکتا

نہ اب طامات کا، شطحوں کا، من گھڑیوں کا پیچھا کر
خیال نور و اسباب کرامت چھوڑ دے یکسر

کراماتیں ملیں گی حق پرستی میں سبھی تجھ کو
بجز اس کے سبھی کبر و ریا و عجب ہستی ہو

ہر ایسی چیز جو ان میں نہ باب فقر میں آئے
غرور نفس کا باعث بنے اور مکر کہلائے

شہادت سے ابا کی تھی وہ ابلیس لعیں جس نے
ہوئیں صادر ہزاروں خرق عادت دہر میں اس سے

کرے دیوار کو پار اور کبھی وہ بام سے اترے
کبھی دل میں براجے اور کبھی اندام میں بیٹھے

خبر ہوتی ہے سب اس کو ترے احوال پنہاں کی
پڑھاتا ہے تجھے فسق و فجور و کفر کی پٹی

امام وقت وہ اور مقتدی اس کا تو کہلائے
مگر ان تیزیوں میں تو کہاں اس تک پہنچ پائے

کراماتوں کا تیری مدعا گر خود نمائی ہے
تو پھر فرعون ہے تو اور تجھے زعم خدائی ہے

ادھر وہ شخص جس کی حق سے ("قلبا") آشنائی ہے
بہت نازیب اس کے واسطے یہ خودنمائی ہے

تجھے ملحوظ ہر لحظہ ہے خلقت، یہ نہیں اچھا
نہ اپنے آپ کو کر قید تو اس دام میں اصلا

عوام الناس کی صحبت نہ تجھ کو مسخ کر ڈالے
نہ تنہا مسخ ہی ڈر ہے نہ بالکل فسخ کر ڈالے

نہیں موزوں کہ ان لوگوں سے رسم و راہ تیری ہو
کہیں ایسا نہ ہو فطرت سے ہو شرمندگی تجھ کو

اکارت تو نے عمر نازنیں کر دی ہے سب اپنی
بھلا اس طرح کے جینے سے کیا تو نے کمائی کی

دیا کیوں نام جمعیت کا ہے تشویش کو تو نے
گدھے کو پیشوا کرکے ڈبویا دیں کو تو نے

زمانہ آ گیا جاہل لگے ہیں سروری کرنے
اسی باعث ہی بدحالی میں دن کٹتے ہیں لوگوں کے

نگاہوں میں تری کرتوت ہیں دجال کانے کے
جہاں کو اپنے جیسا ہی نمونہ دے دیا اس نے

نمونے کی طرف تو دیکھ دل حساس ہے تیرا
اسی دجال کا خر ہے کہ ہے جساس[2] نام اس کا

کے ہیں تنگ میں اس ایک خر کے یہ گدھے سارے
جہالت میں چلے جاتے ہیں آگے آگے بیچارے

بتایا قصہ آخر زماں جب ہم کو خواجہ نے
تو اس مفہوم کے واضح اشارے بھی بتائے تھے

نظر آتا نہیں تجھ کو کہ کورو کر ہیں رکھوالے
ہوئے اللہ حوالے اب علوم دین جتنے تھے

اٹھے ہیں رفق[3] بھی آزرم[4] بھی اس طرح دنیا سے
جہالت پر کسی کو بھی نہ اپنی شرم اب آئے

دگرگوں ہو گئی ہے بے طرح حالت زمانے کی
اگر ہے عقل تجھ میں دیکھ لے صورت زمانے کی

وہ جو اعمال سے مستوجب نفرین و لعنت ہو
اگر باپ اس کا اچھا تھا بنائیں شیخ وقت اس کو

سمجھ لے ناخلف بیٹا خضر نے مار ڈالا تھا
اگرچہ باپ اور دادے سے وہ بھی نیک زادہ تھا

اور اب یہ حال ہے تو اے گدھے شیخ اس کو کہتا ہے
گدھے پن میں جو ہے دو ہاتھ بڑھ کر اے گدھے تجھ سے

وہ جو خود فرق بلی اور چوہے[5] میں نہ کر پائے
ترے اندر کو ناممکن ہے بے آلود کر جائے

اگر بیٹے میں ہو موجود جوہر باپ کا اپنے
بجا ہے گر کوئی نور علیٰ نور اس کو گردانے

کہ بیٹا اس طرح کا نیک رائے نیک بخت ہو گا
ثمر کی طرح یہ وہ تو جوہر سر درخت ہو گا

مگر ہم شیخ دیں مانیں تو مانیں کس طرح اس کو
کہ جو خود امتیاز نیک و بد ہی سے نہ واقف ہو

مریدی علم دیں کو تھا کبھی آموختہ کرنا
چراغ دیں کو یعنی نور افروختہ کرنا

کسی نے علم مردوں سے کبھی اب تک نہیں سیکھا
کہ خاکستر سے کوئی بھی دیا جلتے نہیں دیکھا

مرے دل میں خیال آنے لگا ہے ایک مدت سے
کمر میں ہے یہی بہتر اگر زنار تو باندھے

نہ یہ اس واسطے سوچا کہ شہرت مجھ کو حاصل ہو
کہ وہ حاصل ہے گو حاجت نہیں اس کی ذرا مجھ کو

پڑا ہے واسطہ میرا مگر چونکہ کمینے سے
مجھے شہرت سے گمنامی لگے بہتر کئی درجے

ملی مجھ کو اشارت یہ ولیکن حق تعالیٰ سے
کہ دانائی میں ناداں سے (کبھی دانا) نہیں دبتے

اگر موجود دنیا میں نہ کوئی رفتگر[6] ہو گا
معاً ہو جائے لقمہ خلق ساری ہی مہالک کا

کہ آخر ہم کو ہم جنسی نے باہم کرکے رکھا ہے
جہاں کا ہے چلن ایسا ہی رب بہتر سمجھتا ہے

مگر نا اہل کی صحبت سے ہے پرہیز ہی بہتر
عبادت کے لئے عادت سے ہے پرہیز ہی بہتر

کوئی باہم نہیں ہے جوڑ عادت اور عبادت کا
عبادت کرنے والے چھوڑ دے دامان عادت کا

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ تم میرے ساتھ کئے عہد کو وفا کرو میں تمہارے ساتھ کئے عہد کو وفا کروں گا۔ (قرآن)

۲۔ تجسس کرنے والا جاسوس۔ **ایک عفریت** جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آثار قیامت کے طور پر ظاہر ہو گا۔

۳۔ نیکی

۴۔ شرم و حیا

۵۔ ظالم اور مظلوم

۶۔ جھاڑو دینے والا۔ صفائی کرنے والا۔

✪ ✪ ✪

اشارت بترسائی

غرض تجرید ترسائی میں ہے مجھ کو نظر آئی
یہی تقلید کے پھندے سے دلواتی ہے آزادی

جناب قدس وحدت (یاد رکھ) جاں کا ٹھکانہ ہے
کہ سیمرغ بقا کے واسطے یہ آشیانہ ہے

کہ روح اللہ ہوا روح القدس کے فیض سے پیدا
تو اس کے دم قدم سے کام وحدت کا چمک اٹھا

یہ جاں تجھ کو ملی ہے دین ہے یہ بھی خدا کی ہی
نشاں روح القدس کا چونکہ ہے موجود اس میں بھی

رہائی نفس ناسوتی سے مل جائے اگر تجھ کو
حیات قدس لاہوتی میں پھر تیرا بسیرا ہو

یہاں جس نے فرشتے کی طرح تجرید اپنائی
جگہ چوتھے فلک پہ اس نے عیسیٰ کی طرح پائی

تمثیل

اوائل عمر میں بچہ رہے محبوس ہو کر ہی
وہ ماں کے قرب میں رہتا ہے گہوارے کے اندر بھی

مگر بالغ ہوا جب اور موزون سفر نکلا
اگر بیٹا ہے وہ تو ہو کے ہمراہ پدر نکلا

عناصر کو سمجھ لے تو کہ ماں تیرے بدن کی ہیں
سمجھ فرزند تو ہے اور پدر اجرام علوی ہیں

اسی باعث کہا تھا روح اللہ نے دم اسریٰ
پدر کے پاس میں جاؤں گا سوئے عالم بالا

تجھے بھی چاہئے سوئے پدر بیٹے روانہ ہو
ترے ساتھی روانہ ہو گئے کب کے روانہ ہو

اگر خواہش تری ہو تو بنے پروانہ خو طائر
تو اس مردار کی دنیا کو چیلوں کے حوالے کر

بھلا کس کی بنی دنیا اسے دے دے کمینوں کو
کہ جو مردار شے ہے وہ تو کتوں ہی کا لقمہ ہو

نسب کو چھوڑ دے تو اور مناصب کی طلب کر لے
خدا سے لو لگا لے اور خود ترک نسب کر لے

لگایا جس کسی نے نیستی کے بحر میں غوطہ
چلایا دہر میں اس نے فلا انساب[2] کا سکہ

کوئی نسبت سہی بنیاد جس کی محض شہوت ہو
ثمر اس کا یہاں پر کچھ نہ غیر از کبر و نخوت ہو

بجا یہ بھی ہے لیکن درمیاں شہوت نہ آ جاتی
تو ساری نسل انسانی کبھی کی مرگ پا جاتی

اسی کا یہ تصرف ہے نظام دہر کے اندر
پدر ہم کو نظر آئے یہاں پر اور کوئی مادر

پدر ہے کون مادر کون یہ کہنا عبث سا ہے
ہے تکریم اس کی لازم جو بھی ہے وہ اور جو بسا ہے

کہ یوں تو اس جگہ ناقص کو خواہر کہہ دیا ہم نے
جو حاسد تھا اسے اپنا برادر کہہ دیا ہم نے

عجب ہے اپنے دشمن کو کہے تو میرا بیٹا ہے
جو بیگانہ ہے اس کو تو سمجھتا ہے کہ اپنا ہے

بتا تو کون خالو ہے ترا اور کون عم آخر
تجھے ان سے ملا کیا آج تک جز درد و غم آخر

ترے ساتھی کو تیرے پاس جو ہر وقت رہتے ہیں
ہزل گوئی کو اور بکواس کو ہر وقت رہتے ہیں

متانت کی گلی میں تو اگر اک بار جا گذرے
اڑائیں پھبتیاں تجھ پر وہ کیسی تو سمجھ جائے

یہ افسانہ ہے یہ افسوں ہے اک زنجیر پا یہ ہے
قسم کھاؤں نہ کچھ بھی تو تمسخر کے سوا یہ ہے

دلیری کر دلیروں کی طرح اپنے کو چھڑوا لے
کسی کے حق کو لیکن مارنے والا نہ رستہ لے

شریعت کا اگر اک بھی دقیقہ بے ثمر گذرا
سمجھ لے دو جہانوں میں معطل دین سے ٹھہرا

حقوق شرع سے بہتر ہے تو ہرگز نہ باہر ہو
مگر اپنی نگہ داری بھی لازم ہے میسر ہو

بجز غم تیرے ہاتھ آئے زن و زر سے نہ کچھ آخر
جھٹکنا ان کو دامن سے ہے عیسیٰ وار ہی بہتر

حنیفی ہو کے ہر قید مذاہب سے نکل آئے
در دیں میں تو داخل یعنی راہب بن کے ہو جائے

تری نظروں میں جب تک غیر اور اغیار بستے ہیں
سمجھ مندر میں ہے تو ہو بظاہر لاکھ مسجد میں

ترے آگے سے اٹھ جائے گا جس دن غیر کا پردہ
تو پھر مسجد کو بھی مندر کی صورت تو سمجھ لے گا

تو کس عالم میں رہتا ہے نہیں اس کی خبر مجھ کو
خلاف نفس کافر چل کے ہی ممکن ہے ناجی ہو

بت و زنار اور ترسائی و ناقوس سارے ہی
بتاتے ہیں تجھے باتیں سبھی ناموس تجنے کی

اگر تو چاہتا ہے بندۂ مخصوص ہو جائے
تقاضے صدق کے اخلاص کے جتنے ہیں کر پورے

خودی کو جانے والے راستے سے اک طرف ہو جا
ہر اک لمحے نیا ایمان کر اپنے لئے پیدا

کہ جب تک نفس تیرا تیرے اندر کافروں سا ہے
تجھے اس ظاہری اسلام سے حاصل بھلا کیا ہے

یہ بہتر ہے کہ ہر لحظہ کرے تازہ تو ایماں کو
مسلماں ہو مسلماں ہو مسلماں ہو مسلماں ہو

کہ ہیں ایسے کئی ایمان جو ہیں کفر سے بدتر
نہ کفر اس کو کہو جس سے کہ ایماں کا کھلے جوہر

تجھے ناموس سے مطلب نہ خوش لفظی کی خواہش ہو
پہن زنار کو تو اور پرے پھینک اپنے خرقے کو

ہمارے پیر کی مانند فرد اس کفر میں ہو جا
اگر تو مرد ہے تو مرد ہی کو دل بھی دے اپنا

ہر اک اقرار سے انکار سے ہو یک طرف آخر
دل اپنا پھر کسی ترسا بچے کے تو حوالے کر

✪ ✪ ✪

حواشی

۱۔ حضرت عیسیٰ سے منسوب قول بحوالہ انجیل۔

۲۔ اس دن رشتے ناتے نہیں رہیں گے۔ (۱۰۱/۲۳)

اشارت بت و ترسا بچہ

بت و ترسا بچہ دونوں ہی مانو نور ظاہر ہیں
بتوں کے مختلف چہرے اسی کے ہی مظاہر ہیں

وہی ہے نور جو ہر دل میں اپنا گھر بناتا ہے
مغنی کے کبھی وہ روپ میں ساقی کے آتا ہے

عجب مطرب ہے جس کی اک سریلی تان سنتے ہی
لگے خرمن میں کتنے زاہدوں کے دل کے چنگاری

عجب ساقی ہے وہ جو ایک ہی اپنے پیالے سے
خماریں سینکڑوں ہی سال خوردوں کو بنا ڈالے

سحر کے وقت وہ مسجد کی جانب جب کبھی آئے
نمازی ایک بھی کب ہوش کی حالت میں رہ جائے

ادھر جب رات کو مستی میں سوئے خانقہ جائے
تو صوفی اپنے افسوں کو سراسر بے اثر پائے

کبھی جب عالم مستی میں وہ مکتب کو جا نکلے
فقیہوں کو بھی اپنے حسن سے مخمور کر ڈالے

اسی کے عشق نے زہاد کو بیچارہ کر ڈالا
نہ سدھ گھر بار کی کوئی رہی آوارہ کر ڈالا

اسے مومن کیا اور اس کو کافر کر دیا اس نے
زمانے بھر کو شور و شر سے یکسر بھر دیا اس نے

کشش اس کے بتوں کی میکدے معمور کر جائے
مساجد کو جمال رخ سے وہ پرنور کر جائے

تھے میرے کام جتنے بھی کیے اس نے سبھی سیدھے
اسی نے مجھ کو دلوائی رہائی نفس کافر سے

مرا دل اپنی دانش پر بہت ہی ناز کرتا تھا
گھمنڈی، نخوتی، تلبیس خو اور بے [illegible] سا

سحر کو آ گیا گھر میں مرے وہ بت اچانک ہی
مجھے اور خواب غفلت سے مرے کیا اس نے آگاہی

پڑی جس وقت اس کے روئے زیبا پر نظر میری
تو میری آہ نکل کر جان سے ہونٹوں تک آ پہنچی

مجھے اس نے کہا اے حیلہ گر! اے مکر کے پتلے
گذاری عمر ساری نام میں، ناموس میں تو نے

مگر اس علم نے، اس زہد نے، پندار و نخوت نے
رکھا ہے دیکھ تجھ کو دور کتنا آج تک کس سے

فقط آدھی گھڑی بھی دیکھ لینا میرے چہرے کو
ہزاروں سال کی طاعت سے بھی (ناداں) گراں تر ہو

یہ قصہ مختصر چہرہ مجھے اس عالم آرا کا
عجب ہی بے حجابانہ سی حالت میں نظر آیا

خجالت سے مرے رخ پر سیاہی یک بیک چھائی
مجھے عمر اپنی بے صرفہ کٹی تھی جتنی یاد آئی

جب اس مہ نے کہ چہرہ جس کا روشن مہر کا سا تھا
مجھے دیکھا کہ اب یہ جاں سے ناامید ہو بیٹھا

مری جانب بڑھایا اس نے اک پیمانہ پر کرکے
اور اس پانی نے میرے تن بدن میں بھر دیئے شعلے

کہا پھر اس نے یہ بے بو سی اور بے رنگ مے لے کر
انہیں دھو ڈال ہستی پر تری ہیں نقش جو یکسر

غٹا غٹ پی کے جب میں نے وہ پیمانہ چڑھا ڈالا
چڑھی مستی کچھ ایسی خاک پر خود کو گرا ڈالا

اور اب عالم یہ ہے میں نیستی میں ہوں نہ ہستی میں
نہ مخموری نہ ہشیاری میں ہوں میں اور نہ مستی میں

کبھی لگتا ہے اس کی آنکھ کی مانند سرخوش ہوں
کبھی بیکل مثال زلف اپنے آپ کو پاؤں

کبھی لگتا ہے اپنی خو سے میں گلخن میں ہوں جیسے
کبھی لگتا ہے اس کے رخ سے میں گلشن میں ہوں جیسے

✪ ✪ ✪

خاتمہ

اسی گلشن سے چن کر پھول گلدستہ بنایا ہے
اور اس نے گلشن راز اس لئے ہی نام پایا ہے

کھلے ہیں پھول اس میں کیا بتاؤں کتنے رازوں کے
کسی کی شاخ لب سے آج تک یہ گل نہیں چھوٹے

زباں سوسن تو ہے اس کی مگر گویا سراسر ہے
اگرچہ آنکھ نرگس ہے مگر بینا سراسر ہے

ذرا تو آنکھ سے دل کی نظر کر اس طرف تو بھی
کہ گنجائش رہے باقی نہ کوئی (ریب کی) شک کی

حقائق اور منقولات و معقولات سب یکسر
تجھے علم دقائق میں ملیں گے چھان کر بین کر

نہ منکر کی طرح کوتاہیوں پہ ہو نظر تیری
کہ یوں سمجھے گا شاخ گل کو بھی تو بازو کانٹوں کی

نشان ناشناسی اور کیا ہے ناسپاسی ہے
شناسا حق کا ہونا کیا ہے یہ ہی حق شناسی ہے

غرض اتنی ہے یاد آئے کسی کو بھی اگر میری
کوئی اتنا کہے رحمت خدا کی جان پہ اس کی

کیا ہے نام پر اپنے ہی میں نے خاتمہ اس کا
خدایا عاقبت کو تو مری محمود کر دینا

✪ ✪ ✪

غرض اتنی ہے یاد آئے کسی کو بھی اگر میری
کوئی اتنا کہے رحمت خدا کی جان پر اس کی

کیا ہے نام پر اپنے ہی میں نے خاتمہ اس کا
خدایا عاقبت کو تو مری محمود کر دینا

☆ ☆ ☆